بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

عکسِ دروں

سلسلۂ مضامین	عنوانِ مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
صدائے حسن	فلسطین میں نئی جنگ کا آغا اُمتِ مسلمہ بیدار ہو!	اداریہ	3
اسلامی زندگی	اے مسلمانانِ عالم! آپ کی بقا اسلام میں ہے!	مفتی محمد اسماعیل نیاز	6
	جلد سونے اور جاگنے کے فوائد وثمرات	مولانا ابوساریہ ربیع حقانی	10
	صبر کی فضیلت	مولانا نور حسین شاہ	13
تحقیقی مضامین	میت کے دس حقوق اور اس پر رونے کی شرعی حیثیت	مولانا محمد الیاس گھمن	19
	غامدی فکر کی بنیادی گمراہی	مولانا یحییٰ نعمانی	24
	جوزف کرافٹ کے اعتراض کا جواب	علامہ شمس الحق افغانیؒ	32
بیانات جمعہ	حضرت عبداللہ بن مبارک کا واقعہ	مفتی غلام اللہ صاحب	39
	تبلیغی جماعت کی حقانیت	مفتی غلام اللہ صاحب	48
دارالافتاء	سرکاری ملازم کا ڈیوٹی کیے بغیر تنخواہ اور پنشن لینے کا حکم	مفتی حمید اللہ جان	53

زرِ سالانہ اندرونِ ملک: 300 روپے۔ زرِ سالانہ بیرونِ ملک: 20 ڈالر

ای میل ایڈریس: Muftifahim@gmail.com

atifshah336@gmail.com

ویب ایڈریس: www.alhasan.org

اکاؤنٹ نمبر: میزان بینک: 8101.0100843213

MCB: 0284.1002564

﴿صدائے حسن﴾

فلسطین میں نئی جنگ کا آغاز

اُمتِ مسلمہ بیدار ہو!

قابض صیہونی فوج کی جانب سے مقبوضہ فلسطین کے مختلف علاقوں میں حالیہ کئی ہفتوں کے دوران مسلسل ریاستی دہشت گردی کی کارروائیوں میں بے گناہ فلسطینی نوجوانوں کی شہادتوں کے واقعات اور بیت المقدس کے اندر صہیونی انتہا پسندوں کی اشتعال انگیز مداخلت نے فلسطینی مسلمانوں کو بالآخر اپنی بقا کی جنگ لڑنے پر مجبور کر دیا ہے اور حماس نے صہیونی فوج کے بڑھتے ہوئے مظالم روکنے کے لیے گذشتہ دنوں اسرائیلی علاقوں پر راکٹ برسانے کے علاوہ زمینی راستوں سے بھی اسرائیلی آبادکاروں پر حملے کیے، جس کے نتیجے میں اسرائیل کی ایمرجنسی سروسز کے مطابق ابتدائی طور پر کم ازکم **40** اسرائیلی ہلاک اور **500** سے زائد زخمی ہو گئے ہیں۔حماس سے تعلق رکھنے والے درجنوں مسلح افراد غزہ کی پٹی سے اچانک حملے میں جنوبی اسرائیل میں گھس آئے۔حماس کے رہنما محمد ضیف کا کہنا تھا کہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اب بہت ہو چکا ہے۔خبر رساں ادارے رائٹرز کی فوٹیج میں دکھایا گیا کہ اسرائیلی فائر فائٹرز عسقلان شہر میں آگ بجھانے میں لگے ہوئے ہیں، جبکہ جلی ہوئی گاڑیوں سے دھویں کے گہرے مرغولے اُٹھ رہے ہیں۔

دوسری جانب اسرائیلی وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو نے ایک ویڈیو بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ ہم حالتِ جنگ میں ہیں۔اسرائیل کے وزیر دفاع یوآو گیلنٹ نے کہا ہے کہ حماس نے ایک سنگین غلطی کی ہے اور یہ کہ اسرائیل یہ جنگ جیت جائے گا۔اسرائیلی میڈیا کے مطابق جنوبی اسرائیل کے مختلف مقامات پر اسرائیلی فوج اور فلسطینی مزاحمت کاروں کے درمیان فائرنگ کا سلسلہ اب بھی جاری ہے، جبکہ فلسطینی صدر محمود عباس کا کہنا ہے کہ ان کے عوام کو آبادکاروں اور قابض فوجیوں کی دہشت کے خلاف اپنا دفاع کرنے کا حق حاصل ہے۔ان کا کہنا تھا کہ ہمارے لوگوں کو تحفظ فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔انہوں نے فلسطینی عوام کے اس حق پر زور دیا کہ وہ آبادکاروں کی دہشت گردی اور قابض افواج کے خلاف اپنا دفاع کریں۔

تادمِ تحریر موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق اسرائیل کی قابض افواج نے غزہ کی پٹی میں وحشیانہ بمباری کا آغاز کر دیا ہے اور ابتدائی چند گھنٹوں کے اندر ہی ہزاروں ٹن بارود فلسطینی آبادیوں پر برسا دیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر جانی نقصانات ہوئے۔ عالمی مبصرین نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اسرائیل 2014ء اور 2019ء کی طرح حماس کے ٹھکانوں کو نشانہ بنانے کے نام پر غزہ میں بڑے پیمانے پر قتل عام کرے گا اور اسرائیل کا بدعنوان اور بدنام وزیراعظم نیتن یاہو ان اقدامات کے ذریعے ایک بار پھر اسرائیلی سیاست میں اقتدار پر اپنی کمزور ہوتی ہوئی گرفت کو مضبوط کرنے کی کوشش کرے گا۔

اسے دورِ حاضر کا ایک بڑا المیہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ بھارت کا مودی ہو یا اسرائیل کا نیتن یاہو، جس کو بھی سیاسی میدان میں کسی ہزیمت وخفت کا سامنا ہوتا ہے تو وہ مسلمانوں پر مزید مظالم ڈھا کر اندرونِ ملک بھی اپنے ہم مذہب لوگوں کے نزدیک ہیرو بن کر اپنی کرسی مضبوط کر لیتا ہے اور عالمی قوتوں کی بھی آنکھ کا تارا بن جاتا ہے۔ وہ ممالک جو اپنے ہاں کرپشن اور بدعنوانی کو بالکل بھی پسند نہیں کرتے، ایک ایسے شخص کو بار بار ایک ملک کا وزیراعظم بننے میں مدد فراہم کرتے ہیں جو بھلے کتنا ہی کرپٹ کیوں نہ ہو، مگر اس کی شہرت مسلمانوں کا خون پینے والے کی ہوتی ہے۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ یہ سب دیکھتے ہوئے بھی مسلم دنیا کے حکمران ان ظالم، خونخوار اور وحشی درندوں کے ساتھ تعلقات کی پینگیں بڑھا رہے ہیں اور دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کرنے کے لیے ترغیبات دے رہے ہیں۔

ان حالات نے مقبوضہ مسلم خطوں کے مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا ہے اور انہوں نے اب ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے مصداق اپنی بقا کی جنگ لڑنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اس جنگ میں اسباب کے درجے میں طاقت کا توازن قابض افواج کے ہاتھ میں ہے اور یقینی طور پر فلسطینیوں کے راکٹ حملے اور زمینی جنگ لڑنے کی صلاحیت بہت محدود حد تک دشمن قوت کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور یہ امر نوشتۂ دیوار ہے کہ اس جنگ میں بھی جانی و مالی نقصان ماضی کی طرح فلسطینیوں کا ہی زیادہ ہوگا، تاہم سوال یہ ہے کہ کیا فلسطینیوں کے سامنے اپنی بقا کی فیصلہ کن جنگ لڑنے کے سوا کوئی اور راستہ بھی بچتا ہے؟ گزشتہ چھ ماہ کے دوران فلسطینیوں کی جانب سے اسرائیل پر کوئی راکٹ حملہ نہیں کیا گیا، اس کے باوجود کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب فلسطین کے کسی نہ کسی حصے سے قابض افواج کی بربریت اور بہیمیت سے کئی کئی فلسطینی نوجوانوں کی شہادت

کی اطلاع نہ ملتی ہو۔ ایسا لگتا ہے جیسے صہیونی درندوں کو فلسطینیوں کا روزانہ کی بنیاد پر شکار کرنے کا لائسنس دیا گیا ہے اور ناجائز صیہونی ریاست فلسطینی مسلمانوں کو ایک ایک کر کے مارنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ صیہونی ریاست میں نیتن یاہو کی قیادت میں انتہا پسند صیہونی جماعتوں کے اقتدار میں آنے کے بعد سے مسلم کشی کے واقعات میں زبردست تیزی آچکی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ انتہا پسند صیہونی تنظیموں کے ارکان اب روزانہ کی بنیاد پر مسجد اقصیٰ کے اندر گھستے ہیں اور مسلمانوں کو آہستہ آہستہ مسجد اقصیٰ سے مکمل طور پر بے دخل کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ ایسے میں فلسطینی مسلمانوں کے پاس اپنے بچوں کو بچانے اور بیت المقدس کے تحفظ کے لیے مارو یا مرو کی پالیسی اپنانے کے سوا اور کیا چارہ کار رہ جاتا ہے؟

بنا بریں ہم سمجھتے ہیں کہ عالم اسلام کو فلسطین کے مسئلے کو صرف اسرائیل اور حماس یا کسی اور مزاحمتی تنظیم کی جنگ نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ پوری امتِ مسلمہ کو اب اپنے فلسطینی بھائیوں کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ فلسطینی مسلمان پوری امتِ مسلمہ کی جانب سے ان کے قبلہ اول بیت المقدس کے تحفظ کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اگر خدانخواستہ اس جنگ میں ان کا ساتھ نہیں دیا گیا تو وہ دن اب دور نہیں لگتا، جب صیہونی انتہا پسند بیت المقدس میں مسلمانوں کا داخلہ ہی بند کر دیں گے اور ہیکل سلیمانی کی ازسرنو تعمیر کا اپنا دیرینہ خواب پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ جن مسلم ممالک نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات کے قیام کا ڈول ڈالا ہوا ہے، ان کو بھی اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنی چاہیے اور فلسطینیوں کا خون بہانے اور بیت المقدس یہودیوں کے حوالے کرنے کے گناہ میں شریک ہونے سے باز رہنا چاہیے۔ پاکستان کی حکومت اور عسکری قیادت کو فلسطینیوں پر صیہونی مظالم رکوانے کے لیے مؤثر طریقے سے آواز اٹھانی چاہیے اور پاکستانی عوام کو بھی اپنے فلسطینی بھائیوں کی حمایت میں میدان میں آنا چاہیے۔

بشکریہ: روزنامہ اسلام (کراچی)

﴿اسلامی زندگی﴾

اے مسلمانانِ عالم! آپ کی بقاء اسلام میں ہے!

مفتی محمد اسماعیل نیاز

یہ کوئی خوش نما دعویٰ نہیں، بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جس وقت اس کائناتِ ارضی پر اسلام کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوا، اس سے پہلے ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیروں کا راج تھا۔ انسانیت اپنی پستی کی حدوں کو چھو رہی تھی، یہ خاکی انسان اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے خاک کے پتلوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا، کبھی یہ اشرف المخلوقات آگ کے سامنے ماتھا ٹیکتا تھا اور اللہ وحدہ لاشریک کے لیے بیوی، بچے اور اعزہ واقربا ثابت کیا کرتا تھا، تفصیل تو آپ کو سیرت کی ہر کتاب میں مل جائے گی، لیکن قرآن مجید نے اپنی ایک آیت کے مختصر حصے میں اس پوری تاریخ کو چند لفظوں میں سمیٹتے ہوئے یوں کہا:

﴿وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين﴾ (الجمعه:۲)

ترجمہ: اور بے شک یہ (لوگ) اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

اسلام کا نور جب ظلمت کدہ عالم پر پوری آب وتاب کے ساتھ چمکا تو سارے اندھیرے کافور ہو گئے۔ شکوک وشبہات میں بھٹکنے والے یقینِ محکم کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے آپس میں ایک دوسرے پر جان چھڑکنے لگے، اونٹوں اور بکریوں کے چرواہے ساری کائنات کے منصب امامت پر فائز ہو گئے۔ ذلت سے عزت، پستی سے بلندی اور فرش سے عرش تک کا یہ سارا فاصلہ اسلام کی بدولت طے ہوا۔ اسی لیے امیر المؤمنین خلیفہ دوم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب بیش قیمت لباس زیبِ تن کرنے کا مشورہ دیا گیا تو آپ نے فرمایا:

> "ہم ذلیل تھے اللہ نے ہمیں اسلام کے ذریعے عزت بخشی، اس لیے ہم جب بھی اس کے علاوہ کسی اور چیز میں عزت تلاش کریں گے تو اللہ ہمیں ذلیل کر دے گا۔"
> (حیاۃ الصحابۃ، جلد۳، ص۶۰۹)

یہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں جو قادسیہ کے میدان میں کھڑے کفار کی فوجوں کے سپہ سالار رستم کو جواب دے رہے ہیں:

''ہم دنیا کی طلب میں یہاں نہیں آئے، ہماری چاہت اور فکر تو آخرت کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا اور اس سے فرمایا کہ میں ان مسلمانوں کی جماعت کو ان لوگوں پر مسلط کر دوں گا جو میرا بھیجا ہوا دین قبول نہیں کریں گے اور جب تک وہ اس دین پر جمے رہیں گے غلبہ انہیں کو نصیب ہوگا اور یہی وہ دین حق ہے، جس سے جو بھی منہ پھیرتا ہے، ذلت میں جا گرتا ہے اور جو بھی اسے قبول کرتا ہے، عزت سے سرفراز ہوتا ہے۔''

بھٹکے ہوئے لوگوں کا راہِ راست پر آجانا، قاتلوں کا باہم شیر وشکر ہو جانا اور گلہ بانوں کا انسانیت کا نگہبان بن جانا؛ تاریخ عالم کا ایک عظیم ترین انقلاب تھا، جس نے کم از کم ایک ہزار برس تک دنیا کے اقتصادی، معاشرتی اور فکری رجحانات کو تبدیل کر دیا اور اسلام کی عظمت کو گلے سے لگانے والوں نے بر و بحر، قریب و بعید اور افریقہ و یورپ تک ایک ایسا دلکش اور عظیم نظامِ زندگی قائم کر دیا، جس میں غریب کی عزت محفوظ تھی تو امیر کی دولت کو بھی تحفظ حاصل تھا، جس میں محکوم کا ہاتھ حاکم کے گریبان تک جا پہنچتا تھا اور جس میں انسانوں کو دوسرے انسانوں کی غلامی سے نکال کر رب کی بندگی میں لایا جاتا تھا۔

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی یہ انقلاب آفرینی اور اثر انگیزی ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا کی سو عظیم شخصیات کا عیسائی مصنف (Michael H hart) بھی اپنے آپ کو اس پر مجبور پاتا ہے کہ سب سے پہلے "النبی الامی" فداہ روحی وابی وامی کا ذکر کرے، جس نے دنیا کی کسی درسگاہ میں تعلیمی مراحل طے نہیں کیے اور کسی استاذ سے رشتہ تلمذ استوار نہیں کیا۔

مگر جب اس قوم نے اسلام کے لائے ہوئے پیغامِ وحدت والفت کو چھوڑا اور باہمی معرکہ آرائیوں میں مصروف ہو گئے اور اجتماعیت اس امت کے لیے خواب پریشاں بن گئی، تب ثریا نے ہمیں زمین پر دے مارا اور ہم قدرت کے عظیم قانون ''مکافاتِ عمل'' کا شکار ہو گئے، جب ایک اور نیک تھے تو ساری دنیا ہماری زیرِ نگیں تھی اور جب بکھرے اور ٹوٹے تو آج کوئی ایک اسلامی ملک بھی صحیح معنوں میں آزاد موجود نہیں۔

تاریخ عالم کے اعتبار سے یہ کچھ زیادہ دور کی بات تو نہیں، جب ایک مسلمان عورت کی پکار پر محمد بن

قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا لشکر اپنی فتح کے پھریرے لہراتا ہوا عرب سے ملتان آ پہنچا تھا، مگر آج کتنی بے کس اور بے بس مسلمان عورتیں اسلامی ممالک میں کسی حجاج اور کسی معتصم باللہ کو پکارتے پکارتے دم توڑ جاتی ہیں، مگر کوئی ان کے غم کا فریادرس اور کوئی ان کے دکھوں کا مداوا کرنے والا نہیں ہوتا۔ وہ دن بھی تو اسی زمین و آسمان نے دیکھے جب کسی مسلمان لڑکی کا سر ننگا ہو جاتا تو بڑے بوڑھے کہتے کہ اب خدا کا کوئی غضب نازل ہوگا اور ہم پر کوئی آفت ٹوٹے گی، مگر آج موبائیل اور انٹرنیٹ جیسے شیطانی آلات کی بدولت مسلمان کہلانے والا اپنی ماں و بہن کے ساتھ بیٹھ کر عریاں فلموں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

گویا..................حمیت نام تھا جس کا، گئی تیمور کے گھر سے..................

خدا کے قرآن نے بنی اسرائیل کو ان کے جرائم کی فہرست سنانے کے بعد کہا تھا:

﴿أفتومنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض﴾(البقرة:٨٥)

ترجمہ:" کیا تم کچھ کتاب پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو اور جو کوئی ایسا کرے تو اس کا کیا بدلہ ہے سوائے دنیا کی رسوائی کے اور قیامت کے دن تو وہ سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔"

مگر آج ہم اپنے خیالات پر ایک نظر ڈالیں تو انہی آیات کی عملی تعبیر نظر آتی ہے۔ اقبال مرحوم نے ''جواب شکوہ'' میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے موجودہ مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں
امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں
بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں
تھا ابراہیم پدر اور پسر آزر ہیں
قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمد (ﷺ) کا تمہیں پاس نہیں

اسلام کا آفاقی پیغام چھوڑنے کے بعد نتیجہ کیا نکلا؟ ایک ارب سے زائد مسلمانوں کی موجودگی میں دنیا کی مادی دولت میں سب سے زیادہ ہونے کے باوجود اعلیٰ دماغ اور اعلیٰ ذہن رکھنے والے افراد کے ساتھ اسلام

اورمسلمان سے بڑھ کر اس روئے زمین پرکوئی مظلوم نہیں۔گزشتہ ایک صدی میں جتنے مظالم ہوئے ، جتنے خون بہے اور جتنے لاشے تڑپے، اُن میں اکثر مسلمانوں کے تھے۔ ۵۷ آزاد کہلانے والے اسلامی ممالک میں سے ایک میں بھی قرآن وسنت سپریم لاء نہیں ہے۔سود، قمار سیکولرازم، لبرل ازم، اشترا کیت اور اباحیت پسندی کے فتنے ہماری جڑیں مکمل طور پر کھوکھلی کر چکی ہیں۔تاریخی حقائق پڑھیے اور بار بار پڑھیے، آپ یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ آپ کی بقا صرف اور صرف اسلام سے ہے ورنہ.....

بجھی آگ عشق کی ؛ اندھیر ہے
مسلمان نہیں ؛ راکھ کا ڈھیر ہے

امام شاذکونی کی مغفرت

حافظ شمس الدین سخاوی تحریر فرماتے ہیں کہ مشہور محدث امام ابوایوب سلیمان بن داؤد شاذ کونی (متوفی ۲۳۴ھ) کوکسی نے ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا:

اللہ تعالی نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ نے میری مغفرت فرمادی۔ پوچھا کہ کس عمل کی بناپر؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ: ایک روز میں اصفہان جارہا تھا، راستہ میں زور کی بارش شروع ہوئی، مجھے سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ میرے ساتھ کچھ کتابیں ہیں، اگر وہ ضائع ہوگئیں تو میری ساری پونجی کٹ جائیگی۔قریب میں کوئی ایسا سائبان یا چھت نہ تھی، جس کے نیچے پناہ لی جاسکے۔ چنانچہ میں نے اپنے جسم کو دوہرا کر کے کتابوں پر سایہ کردیا، تاکہ وہ حتی الامکان بارش سے محفوظ رہیں۔ بارش ساری رات جاری رہی اور میں ساری رات اسی حالت میں بیٹھا رہا۔صبح کے وقت بارش رکی اور میں سیدھا ہوا اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی وجہ سے میری مغفرت فرمادی ۔(صفحات من صبر العلماء علی شدائد التحصیل، الشیخ عبدالفتاح ابی غدۃ ص ۶۷ بحوالہ فتح المغیث للسخاوی، ص: ۱۵۷)

﴿اسلامی زندگی﴾

جلد سونے اور جاگنے کے فوائد اور ثمرات

مولانا ابوساریہ ربیع حقانی

انسان کی بنیادی ضروریات جن پر مدارِ حیات اور معیارِ عافیت قائم ہے، ان میں ایک بنیادی ضرورت نیند بھی ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ کم سونا یا زیادہ سونا دونوں کا ہی موت کو وقت سے پہلے دعوت دینا ہے۔ اسی طرح رات کو دیر سے سونا اور صبح دیر سے اٹھنا بے شمار بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ جس طرح زندگی میں کھانا پینا اور سانس لینا ضروری ہے، اسی طرح سونا اور آرام کرنا بھی ذہنی وجسمانی صحت کے لیے انتہائی اہم ہے۔ قرآن مجید میں متعدد بار باراس نعمت کا ذکر آیا ہے۔ جیسا ارشاد باری تعالی ہے:

ترجمہ: ''اور ہم نے بنادیا ہے تمہاری نیند کو باعث آرام''۔ (النبا)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

کہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی، تا کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو ہر چیز دکھانے والا بنایا۔ (یونس: ٦٧)

پرسکون نیند:

پرسکون نیند کے لیے شور شرابے کا نہ ہونا ضروری ہے اور یہ موقع صرف رات کے اوقات میں میسر ہونا بآسانی ممکن ہے۔ طبی نکتہ نظر سے بھی رات کے وقت آرام کرنا، دن میں سونے کی بنسبت زیادہ فوائد کا حامل ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

ترجمہ: اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تا کہ رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو تا کہ تم شکر گذار بن سکو۔ (القصص: ٧٣)

قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دن کمائی کے لیے اور رات آرام کے لیے مقرر کر دینی چاہیے۔ ترمذی شریف میں ابو برزہؓ سے حضور نبی کریم ﷺ کی روایت ہے:

"كان النبي ﷺ يكره النوم قبل العشاء والحديث بعدها". (سنن الترمذي، كتاب الصلوة، باب ماجاء في كراهية النوم قبل العشاء والسمر بعدها)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نماز عشا سے پہلے سونے کو اور بعد میں بات کرنے کو مکروہ (ناپسندیدہ) خیال فرماتے تھے۔

رات کو جلد سونا، تہجد کے لیے اُٹھنا، نماز فجر سے پہلے تھوڑا آرام کرلینا اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرنا، اس کے بعد ذکر واذکار اور تلاوت کرنا، پھر اشراق کے نوافل ادا کرنے کے بعد کام کاج میں مشغول ہونا، نبی کریم ﷺ کے معمولات مبارکہ میں شامل رہا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"يعقد الشيطان على قافية رأس أحدكم إذا هو نام ثلاث عقد يضرب كل عقدة عليك ليل طويل فارقد، فان استيقظ فذكر الله انحلت عقدة، فان توضأ انحلت عقدة، فان صلى انحلت عقدة، فاصبح نشيطا طيب النفس والا أصبح خبيث النفس كسلان. (صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب عقد الشيطان على قافية الرأس إذا لم يصل بالليل)

"نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سو جاتا ہے تو شیطان اس کے سر کے پیچھے گدی میں تین گرہ لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ پھوک لگا دیتا ہے کہ سو جا ابھی رات بہت باقی ہے، پھر جب وہ شخص جاگ کر اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، پھر جب نماز پڑھے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اسی طرح صبح جاگنے سے آدمی چاق وچوبند اور ہشاش بشاش ہو جاتا ہے۔ بصورت دیگر سست، بددل اور بوجھل طبیعت والا بن جاتا ہے اور اسے خاطر خواہ بھلائی نہیں ملتی۔"

رات کو جلد نیند نہ آنے کی شکایت کرنے والوں کو ان عوامل کو دیکھنا چاہیے جو نیند کے لیے خلل کا باعث بن رہے ہیں، جیسا کہ بستر پر لیٹ کر موبائل فون یا لیپ ٹاپ کا استعمال کرنے سے نیند کا معمول بگڑ سکتا ہے، اسی طرح سونے والے کمرے (بیڈروم) میں اگر ٹیلی ویژن لگا ہوا ہے اور کوئی شخص بستر پر لیٹ

کر ٹیلی ویژن دیکھتا ہے تو اس سے بھی اس کی نیند کا دورانیہ (cycle) مکمل نہیں ہوگا اور جسم کے اعضا و دماغ کو حسب ضرورت نیند کی صورت میں آرام نہیں ملتا تو اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ نیند کے بعد بھی تھکاوٹ کا احساس برقرار رہتا ہے۔

طبی ماہرین تجویز کرتے ہیں کہ سونے سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل الیکٹرانک آلات (موبائل فون، ٹیلی ویژن، لیپ ٹاپ وغیرہ) کا استعمال بند کرنا چاہیے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہر روز ایک ہی وقت پر سونے کو معمول بنانے سے اچھی نیند آتی ہے۔ اگر کوئی شخص (مرد یا عورت) اپنے سونے اور جاگنے کے اوقات پر سختی سے عملدرآمد نہیں کرے گا تو اس سے اُس کی صحت کو خطرہ لاحق رہے گا۔ اکثر لوگ موبائل فون میں جاگنے کے لیے الارم لگاتے ہیں اور اِس کی وجہ سے اُنہیں موبائل فون سرہانے رکھ کر سونا پڑتا ہے جو وقتاً فوقتاً پیغامات آنے کی وجہ سے بجتا رہتا ہے اور ذہن موبائل فون کی طرف متوجہ رہتا ہے، جو نیند میں خلل کا محرک ہے۔ انسانی جسم کے اندر بھی ایک گھڑی سورج کے طلوع اور غروب کے مطابق کام کرتی ہے۔ اگر انسان اپنے آپ پر غور کرے اور دیکھے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے نیند کے اوقات مقرر کیے ہیں تو وہ صحت منداور ہشاش بشاش زندگی بسر کر سکتا ہے۔

خوابوں کی حقیقت

شریک بن عبداللہ خلیفہ مہدی کے زمانہ میں قاضی تھے۔ ایک مرتبہ وہ مہدی کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں قتل کروانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ قاضی صاحب نے پوچھا: امیر المؤمنین کیوں؟ مہدی نے کہا:

میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم میرا بستر روندرہے ہو اور مجھ سے منہ موڑے ہوئے ہو، میں نے یہ خواب ایک معتبر کے سامنے پیش کیا تو اس نے یہ تعبیر دی کہ قاضی شریک ظاہر میں تو آپ کی اطاعت کرتے ہیں، لیکن اندر اندر آپ کے نافرمان ہیں۔

قاضی شریک نے جواب دیا:

خدا کی قسم امیر المؤمنین! نہ آپ کا خواب ابراہیم علیہ السلام کا خواب ہے اور نہ آپ کا تعبیر دینے والا یوسف علیہ السلام ہے تو کیا آپ جھوٹے خوابوں کے بل پر مسلمانوں کی گردنیں اتارنا چاہتے ہیں؟ مہدی یہ سن کر جھینپ گیا اور قتل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ (الاعتصام، جلد اول، ص: ۳۵۳)

صبر کی فضیلت

(چالیسویں قسط)

مولانا سید نور حسین شاہ

بے شک بڑا ثواب بڑی مصیبت پر ملتا ہے :

”قال النبيُّ ﷺ : اِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ وَاِنَّ اللّٰہَ تعالیٰ اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا اِبْتَلَاھُمْ فَمَنْ رَضِیَ فَلَہٗ الرِّضٰی وَمَنْ سَخِطَ فَلَہٗ السَّخَطُ“.(أخرجه الترمذي :٢/٢٤، وابن ماجة : ٤٠٣١)

ترجمہ:رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بے شک بڑا ثواب بڑی بلا پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو محبوب وپسند فرماتا ہے تو اسے آزمائشوں سے گذارتا ہے تو جو آزمائشوں میں خوش رہا، رضائے الٰہی کا مستحق ہوا اور جو آزمائشوں میں ناراض اور چیں بجبیں ہوا، غضبِ الٰہی کا مورد بنا۔

”وقال الشَّیْخُ البانيؒ فِي سِلْسِلَةِ اَحادِیثِ الصَّحِیْحَةِ: وَھٰذا الْحَدیثُ یَدُلُّ عَلیٰ اَنَّ الْبَلَاءَ اِنما یکون خیراً وَاِنَّ صَاحِبَہٗ یکونُ مَحْبُوْبًا عِنْدَ اللّٰہِ اِذا صَبَرَ عَلیٰ بَلَاءِ اللّٰہِ تَعَالیٰ وَرَضِيَ بِقَضَاءِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ“.

شیخ البانی فرماتے ہیں کہ حدیث کا مدعا یہ ہے کہ مصیبت میں خیر ہے اور مصیبت زدہ انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہوتا ہے، جب وہ مصیبت پر صبر کرنے اور رضا بر قضائے اِلٰہی کو شعار بنادے۔ پس کثرتِ ثواب مصیبت کی کثرت سے حاصل ہوتی ہے۔

”مجالس الابرار بمطارح الانظار، صفحہ:۳۵۷“ پر اس حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ:

”وَمَنْ کَرِہَ الْبَلَاءَ وَجَزَعَ ....الخ.

ترجمہ:اور جس نے بلاء کو براجانا اور واویلا کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی نہ ہوا تو اس کو اللہ

تعالیٰ کی بیزاری اور غضب حاصل ہوتا ہے۔

ملحوظہ:

رضامندی اور ناراضگی دونوں کا مرکز دل ہے، دونوں کا تعلق دل سے ہے نہ کہ زبان سے۔ پس جو بھی درد کے مارے یا بیماری کی شدت سے آہ آہ اور اُف اُف کرتے ہیں، اس کے ساتھ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی رضا و تسلیم ہو تو یہ ''راضٍ وصابرٌ'' ہے۔

"وَقَالَ الْفَقِيهُ اَبُو اللَّيْثِ اِنَّ الْعَبْدَ لَا يُدْرِكُ مَنْزِلَةَ الْاَخْيَارِ اِلَّا بِالصَّبْرِ عَلىٰ الشِّدَّةِ وَالْاَذىٰ". (مجالس الابرار بمطارح الانظار، ص: ٣٥٤، فی بیان فضيلة الصبر عند البلاء)

فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ انسان نیکوں اور بزرگوں کا درجہ نہیں پاتا، مگر سختی اور تکلیف پر صبر ہی کی بدولت۔

"المراد بالصَّبْرِ علی البَلاءِ الرِّضَاءُ بِهٖ وَعَدَمُ الْكَرَاهَةِ".

ترجمہ: مصیبت پر صبر کرنے سے مراد ''اس پر راضی ہونا اور ناخوش نہ ہونا'' ہے۔

یہ تو آدمی کے اختیار میں نہیں اور اگر اس پر خوش ہونا مراد ہے تو یہ اول سے بھی زیادہ بعید ہے۔ دونوں کام مشکل ہیں، کیونکہ ناخوش نہ ہونا آدمی کے اختیار میں نہیں ہے اور خوش ہونا تو بہت ہی زیادہ مشکل ہے۔

اس کا حل یہ ہے کہ شارع نے ایسی چیز سے منع نہیں کیا جو اس کے اختیار میں نہ ہو۔ ممانعت تو کسبی باتوں سے ہے۔ جیسے شق الجیوب وضرب الخدود (گریبان پھاڑنا اور گلے پیٹنا) اور زبان سے بکنا جیسے چیخنا اور نوحہ کرنا وغیرہ۔ اور رہی صلحا و اولیاءِ کرام کی بلاؤں پر فرحت تو یہ فرح شرعی ہے، جو ایمان اور یقین کی قوت سے حاصل ہوتی ہے۔ صالحین اور اولیاء اللہ کے یقین کا مدار یہ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر: ١٥)

صابروں کو بے حساب ان کا اجر ملے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

﴿وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا﴿١٢﴾ (الدھر)

اورانہیں ان کے صبر کے بدلے جنت اورریشمی لباس عطافرمائے گا۔

یعنی جب ان حضرات کو بڑے اجروثواب کا یقین ہوگیا تواب ان پر دنیا میں جومصائب اور پریشانیاں گزررہی ہیں،سب آسان ہوجاتی ہیں۔

صحیح معنوں میں صابرلوگ :

دنیا کا کوئی انسان ایسانہیں جسے زندگی میں ناموافق حالات برداشت نہ کرنے پڑتے ہوں۔بعض لوگوں کوجب ایسے حالات پیش آتے ہیں توان کی طبیعت میں اضطراب آجاتا ہے۔ایسا آدمی اتنا پریشان ہوتاہے کہ جہاں بیٹھتاہے اسی مصیبت کا تذکرہ کرتاہے اوروہ اپنے آپ کولوگوں کی نظرمیں قابل رحم بنا پھرتا ہے۔کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں، جوایسے حالات میں مایوس ہوکرڈیپریشن میں چلے جاتے ہیں اوربعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جواللہ رب العزت کی طرف زیادہ رجوع کرلیتے ہیں،وہ پہلے کی نسبت زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوجاتے ہیں۔یہ تیسرے طبقہ کے لوگ صحیح معنوں میں صابرین ہوتے ہیں۔اسے حقیقی معنوں میں صبرکہتے ہیں۔اللہ رب العزت جس حال میں رکھے،بندہ اپنے رب کی تقسیم پرراضی رہے۔

مولانارومؒ نے عجیب وغریب حکایتیں لکھی ہیں۔وہ فرماتے ہیں:

’’سلطان محمودغزنویؒ کاایک غلام تھاجس کانام ایازتھا۔محمودکواس سے بڑی محبت تھی،لوگوں نے اعتراض کیاکہ ہم اس سے شکل میں اچھے ہیں،عقل میں اچھے ہیں،نسب اورحسب میں اچھے ہیں،لیکن آپ کی محبت کی جونظراس پرپڑتی ہے وہ کسی اورپرنہیں پڑتی۔انہوں نے کہا: اچھامیں آپ کواس بات کاجواب دوں گا۔

ایک دن محمود نے ایک کڑوا پھل منگوایا۔اس کی قاشیں بنوائیں اورسب میں تقسیم کردیں۔جس نے بھی منہ میں ڈالا،اس نے تھوتھوکیا۔ایازکودیکھاتومزے لے لے کرکھارہاتھا۔محمود نے پوچھا :ایاز!کیا پھل کڑوانہیں ہے ؟ اس نے جواب دیا:کڑوا توہے،لیکن میں اسے کھارہاہوں ۔پوچھا : کیوں کھارہے ہو؟ کہنے لگا،جس بادشاہ کے ہاتھوں سے ساری زندگی میٹھی چیزیں لے کرکھاتارہا،اگران ہاتھوں سے آج کڑوی چیزبھی مل گئی تو واپس کرتے ہوئے مجھے حیاآتی ہے۔

ہم بھی یہی سوچیں کہ جس پروردگار نے ہمیں ایمان عطا فرمایا، صحت، عزت اور رزق دیا اور کیا کیا نعمتیں دیں۔ اگر اس کی طرف سے مشکل حالات آ بھی جائیں تو ہم بھی مصیبت کو برداشت کیا کریں۔ اسی کو کسی عارف نے یوں کہا:

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ۔۔۔ سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کہ دشمن کے نصیب میں نہیں تھا کہ تیری تیغ سے وہ ہلاک ہوتا۔ دوستوں کے سر سلامت رہیں کہ تو ان پر اپنے خنجر آزماتا ہے۔

یہ دشمنوں کے نصیب میں کہاں، یہ نعمت تو دوستوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اللہ والوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ دشمنوں کو تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی کچھ دیتے ہیں، کیونکہ آخرت میں "لَا خَلَاقَ لَهُم" (ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا) اور مصیبت والی نعمتیں تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو دنیا میں دیتا ہے۔ کسی عارف کا قول ہے:

تیرا غم بھی مجھ کو عزیز ہے ۔۔۔ کہ وہ تیری دی ہوئی چیز ہے

یاد رکھیے! بے صبری کرنے سے انسان کی مصیبت نہیں ٹلتی، البتہ مصیبت پر اجر و ثواب ملنا تھا، بندہ اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ تو پھر بے صبری کا کیا فائدہ ہوا۔

آلِ یاسر صبر کرو ...... تمہارے وعدے کی جگہ جنت ہے:

سیدنا عمار بن یاسرؓ بنو مخزوم کے غلام تھے۔ یہ اپنے والدین کے ساتھ اسلام کی نعمت سے مشرف ہوئے تھے۔ مشرکین مکہ انہیں طرح طرح کی دردناک سزائیں دیا کرتے۔ دھوپ میں گرم اور پتھریلی زمین پر ان تینوں کو لٹا دیا جاتا اور انہیں گھسیٹ گھسیٹ کر مارے جاتے۔ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں اس سلسلے میں لکھا ہے:

"كَانَ الْمُشْرِكُونَ وَعَلَى رَأْسِهِمْ أَبُوْ جَهْلٍ يُخْرِجُوْنَهُمْ إِلَى الْأَبْطَحِ إِذَا حَمِيَتِ الرَّمْضَاءُ فَيُعَذِّبُوْنَهُمْ بِحَرِّهَا."

مشرکین مکہ جن کے پیش پیش ابو جہل ہوتا۔ ان تینوں (عمار، ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم) کو چلچلاتی دھوپ میں، جبکہ شدتِ تپش سے زمین گرم ہو جاتی، بطحائے مکہ

میں نکالتے اور وہاں کی گرم زمین پر لٹا کر انہیں سزائیں دیا کرتے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ کا گذر اُن کے پاس سے ہوتا اور آپ انہیں اسلام کی خاطر یہ سخت ایذائیں برداشت کرتے ہوئے دیکھتے تو فرماتے:

"صَبْرًا آلَ يَاسِرَ فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ". (مستدرك حاكم: ٣/٣٨٣)

ترجمہ: آلِ یاسر صبر سے کام لو، یقیناً تمہارے وعدے کی جگہ جنت ہے۔

موت پر صبر اور اس کا اجر:

" عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يَقُولُ اللّٰهُ مَا لِعَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ إِلَّا الْجَنَّةَ ." (رواه البخاری)

سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے ایمان والے بندے (یا بندی) کے کسی پیارے کو جب میں اُٹھا لوں، پھر وہ ثواب کی امید میں صبر کرے تو میرے پاس اس کے لیے جنت کے سوا کوئی معاوضہ نہیں۔

اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے۔آرام اور خوشی بھی، شادی بھی اور غمی بھی۔شیرینی بھی اور کڑواہٹ بھی، سردی بھی اور گرمی بھی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلے سے ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہیے کہ جب کوئی دُکھ اور مصیبت پیش آجائے تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں، بلکہ ایمانی صبر وثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے اور وہی ہم کو اس دُکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے۔

تو میں راضی نہیں ہوں گا:

" عن أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى :يَاابْنَ آدَمَ ! إِنْ صَبَرْتَ وَ احْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى لَمْ أَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُونَ الْجَنَّةِ ." (رواه ابن ماجة، كتاب الجنائز ،باب ماجاء الصبر على المصيبة :حديث:١٥٩٧)

سیدنا ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

اے فرزندِ آدم! اگر تو نے شروع صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی تو میں نہیں راضی ہوں گا کہ جنت سے کم اور اس کے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔ (ابن ماجہ)

مولانا منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں:

''جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہونچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتدا ہی میں ہوتا ہے، ورنہ کچھ دن گزرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود بھی زائل ہو جاتا ہے، اس لیے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے اور اس کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے، اسی کی فضیلت اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے۔ بعد میں طبعی طور پر جو صبر آ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں۔

اس حدیث مبارک میں اعلان ہے کہ جو صاحبِ ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت ضرور عطا کرے گا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اس کے صبر کے ثواب میں دینے پر اللہ تعالیٰ راضی نہ ہوگا۔

اللہ اکبر! کس قدر کریمانہ انداز ہے۔ لہٰذا مصیبت پہنچنے کے وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ پھر انشاء اللہ! اس صبر میں ایک خاص لذت اور حلاوت ملے گی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً جنت بھی عطا ہوگی۔

جب کوئی مسلمان کسی مصیبت یا تکلیف کے وقت صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔ ارشادِ نبویﷺ ہے:

" مَـا مِـنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى إِلَّا حَاتَّ اللّٰهُ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ وَرَقُ الشَّجَرِ .

عَنْ عَبدِاللّٰهِ بْنِ مسعودٍؓ، رواه البخاري ،كتاب المرض ،باب شدة المرض)

جب کسی مسلمان کو کوئی اذیت پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس طرح گرادیتا ہے، جس طرح درخت کے پتے گرتے ہیں۔

﴿تحقیقی مضامین﴾

میت کے دس حقوق......اوراس پر رونے کی شرعی حیثیت

متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

اللہ تعالیٰ نے اس فانی دنیا کا نظام یہ بنایا ہے کہ اس میں جو بھی آتا ہے اس نے جانا ہے۔ہم سے پہلے بہت سے لوگ آئے اور اپنی زندگی کے مقررہ دن گزار کر چلے گئے۔ہم بھی ایک دن یہ دنیا چھوڑ کر چل پڑیں گے اور ہمارے بعد آنے والے لوگ بھی بالآخر وفات پا جائیں گے۔

فوت شدگان کے دس حقوق:

اسلام جیسے جینے سے متعلق تعلیمات ذکر کرتا ہے، ایسے ہی مرنے کے متعلق بھی احکام ذکر کرتا ہے۔شریعتِ اسلامیہ میں ورثا اور دیگر پسماندگان کو جن شرعی احکامات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ بنیادی طور پر یہ ہیں کہ جانے والوں کے لیے:

1. دعائے مغفرت کی جائے۔
2. ان کے ذمہ جو حقوق اللہ (فرائض/ واجبات) ہیں، ان کو پورا کیا جائے۔
3. ان کے ذمہ جو حقوق العباد (لین دین) ہیں، ان کو ادا کیا جائے۔
4. ان کے ترکے کو اسلامی قوانین کے مطابق تقسیم کیا جائے۔
5. ان کی تکفین و تدفین کے مراحل کو ادا کیا جائے۔
6. اگر ان کی وصیت موجود ہو تو شرعی اصولوں کی روشنی میں پورا کیا جائے۔
7. ان کی نمازِ جنازہ مسنون طریقے سے ادا کی جائے۔
8. ان کے حق میں کلماتِ خیر کہے جائیں۔
9. اور ان کے لیے ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا جائے۔
10. ان کی طرف سے کوئی زیادتی وغیرہ ہو گئی ہو تو اسے معاف کر دیا جائے۔

حدیث مبارک میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کی جن چار برائیوں کو ذکر فرمایا ہے ان میں ایک "وَالـنِّیَـاحَۃُ" مرنے والے پر نوحہ (بے صبری کی وجہ سے چیخ چیخ کر رونا چلانا) کرنا بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے کچھ لوگ اس برائی میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے، جہالت کی وجہ سے اس کو نہیں چھوڑیں گے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2160)

نوحہ کی شرعی ممانعت:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (تمام اہلِ اسلام کو) نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 3129)

نوحہ کرنا اسلام کی تعلیم نہیں:

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسے شخص کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق ہیں جو مصیبت کے وقت رخساروں کو پیٹے، گریبان چاک کرے اور (میت وغیرہ پر) زمانہ جاہلیت کی طرح زور زور سے آوازیں نکالے (یعنی نوحہ کرے)؟ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 1297)

نوحہ کرنے والوں سے اظہارِ بیزاری:

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید اور ابو بردہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بے ہوش ہوگئے تو آپ کی اہلیہ چلا چلا کر رونے لگی۔ جب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا تو انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ کیا آپ کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میں ہر اس شخص سے بیزار (لاتعلق) ہوں، جو مصیبت وحادثہ وغیرہ کے وقت سر کے بال منڈائے، چلا چلا کر روئے (نوحہ کرے) اور اپنے کپڑوں کو پھاڑے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 150)

نوحہ سننے / کرنے والی پر لعنت:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر لعنت فرمائی ہے، جو خود نوحہ کرنے والی یا اسے سننے والی (یعنی نوحہ کو پسند کرنے والی) ہو۔ (سنن ابی داود، رقم الحدیث: 3130)

نوحہ کا عذاب:

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کے بعض لوگوں میں جاہلیت کی چار باتیں پائی جائیں گی جن کو وہ نہیں چھوڑیں گے۔ان میں ایک نوحہ کرنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر نوحہ کرنے والی مرنے سے پہلے اس برائی سے توبہ نہیں کرے گی تو قیامت والے دن وہ اس حالت میں ہوگی کہ اس کے جسم پر تارکول اور خارش کا لباس ہوگا۔(صحیح مسلم، رقم الحدیث:2116)

نوحہ اور چلائے بغیر رونا ممنوع نہیں:

حضرت محمد بن عمرو بن عطاء سے مروی ہے کہ سلمہ بن ازرق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے کسی (غالبًا حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہوا تو عورتیں جمع ہوئیں اور حضرت زینب پر رونے لگیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حضرت زینب کی قریبی رشتہ دار عورتوں کو رونے سے) منع کیا اور (اجنبیوں کو بھگانے کے لیے) سخت طریقے سے ڈانٹنا شروع کیا۔اس موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عمر! ان عورتوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو، کیونکہ آنکھیں رو رہی ہیں، دل مصیبت زدہ ہیں اور موت ابھی ابھی آئی ہے۔(سنن النسائی، رقم الحدیث:1836)

فائدہ:

یہ خواتین چلا چلا کر نہیں رو رہی تھیں، یعنی نوحہ جو اسلام میں ممنوع ہے، وہ نہیں کر رہی تھیں، بلکہ جدائی پر صدمے کی وجہ سے معمولی آواز میں رو رہی تھیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس احتیاط کے پیش نظر کہ کہیں زیادہ بلند آواز میں رونا (نوحہ کرنا) شروع نہ کر دیں، اس لیے انہیں روکا۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے روکا کہ موت کے شدید صدمے کے وقت اظہار رنج و غم کی اتنی اجازت ممنوع نہیں ہے۔

اولاد کے انتقال پر صبر کا اجر:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب کسی شخص کی اولاد فوت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ (روح قبض کرنے والے) فرشتوں سے فرماتے ہیں:

تم نے میرے (فلاں) بندے کی اولاد کی روح قبض کر لی؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تم نے اس کے لختِ جگر کی روح قبض کی؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ میرے بندے نے (اپنی فوت ہونے والی اولاد پر میرے بارے میں) کیا کہا؟ وہ عرض کرتے ہیں: اس نے (ناشکری کے کلمات نہیں کہے بلکہ صدمے کے اس موقع پر بھی) آپ کی حمد کی اور (وہ کام کیا جس کا آپ نے اسے حکم دیا یعنی) اِنَّـا لِـلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (میرا بندہ میرے فیصلے پر راضی رہا، صبر کیا اور وہی کیا جس کا میں نے اسے حکم دیا تھا اس لیے) تم اس کے لیے جنت میں ایک (عظیم الشان) محل تعمیر کرو اور اس (محل) کا نام بیت الحمد رکھو۔ (جامع الترمذی، رقم الحدیث: 1021)

جنت کی چڑیاں:

حضرت ابوحسان رحمہ اللہ کے دو بیٹے فوت ہوگئے تو انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ آپ نے (اس طرح کے صدمے کے وقت تسلی کے لیے) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان مبارک سنا ہو تو ہمیں بھی سنا دیں، تاکہ ہمیں تسلی مل جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں! میں نے اس بارے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہے کہ اہل ایمان کے وہ بچے جو کم عمری میں فوت ہوجائیں وہ جنت کی چڑیاں ہیں (قیامت کے دن) ان بچوں میں سے جو اپنے باپ/ والدین سے ملے گا تو اس کے دامن/ ہاتھ کو پکڑ لے گا، جیسا کہ میں نے آپ کے اس کپڑے کے کنارے کو پکڑا ہوا ہے۔ وہ بچہ اس وقت تک اپنے والد سے جدا نہیں ہوگا، جب تک اللہ تعالیٰ اسے اور اس کے والد کو جنت میں داخل نہ فرما دیں۔ (مسند احمد، رقم الحدیث: 10331)

جس کی تین نابالغ اولاد بچے ہو جائیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان بچوں پر رحمت فرماتے ہوئے ان کے والدین کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔(صحیح البخاری، رقم الحدیث:1248)

نابالغ اولاد جنت کے دروازے پر:

حضرت معاویہ بن قرۃ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے بیٹے کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا:

کیا آپ اپنے بیٹے سے محبت کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ سے اس طرح محبت فرمائے، جیسے میں اس سے محبت کرتا ہوں (یعنی بے حد محبت کرتا ہوں)۔ اس کے کچھ دن بعد وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کہیں دکھائی نہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ ہماری مجلس میں نظر نہیں آ رہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس شخص کا بیٹا فوت ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس جا کر تعزیت کرتے ہوئے فرمایا: تمہیں اس بات سے خوشی ہو گی کہ جب تم جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے سے داخل ہونا چاہو گے تو وہ بچہ اسی دروازے سے دوڑتا ہوا آئے گا اور تمہارے لیے جنت کا دروازہ کھولے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ فضیلت صرف اسی شخص کے لیے ہے یا ہم سب کے لیے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سب کے لیے یہی فضیلت ہے۔(مسند ابن الجعد، رقم:1075)

تسلی دینے والے کا اجر:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص مصیبت زدہ شخص کو تسلی دیتا ہے تو اس کے لیے بھی اتنا اجر ہوتا ہے جتنا مصیبت پر صبر کرنے والے کو ملتا ہے۔(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:1602)

اللہ تعالیٰ ہمیں احکام شریعت پر عمل کرنے اور جہالت سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین! بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم!!

﴿تحقیقی مضامین﴾

غامدی فکر کی بنیادی گمراہی

(آخری قسط)

مولانا یحییٰ نعمانی

چہ بے خبرز مقام محمد عربیست:

غامدی تصورِ دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منصب نہیں ہے کہ ان کے ذریعے، قرآن کے علاوہ اور یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب میں چلی آنے والے دین ابراہیمی کی روایت کے علاوہ کوئی نیا دینی حکم نافذ قرار دیا جائے۔ وہ اگر حدیث میں دیے گئے کسی حکم کو قبول کرتے ہیں یا رسول اللہ کے حرام قرار دیے گئے کسی فعل کو حرام مانتے ہیں تو بس اسی وقت جب مشرکین عرب اور یہود ونصاریٰ کی دینی روایت میں اس کی سند مل جائے؛ اسی لیے ''میزان'' میں جو ان کے فہم دین کا مکمل صحیفہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بھی احکام قبول کیے گئے ہیں، ان کی سند بھی ذکر کی گئی ہے کہ بائبل میں اس کی اصل ملتی ہے یا عربوں کی جاہلیت میں اس پر عمل تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے ثابت ہے کہ آپ نے مسواک کو دینی عمل قرار دیا اور اس کا اجر وثواب بیان فرمایا۔ غامدی صاحب اس کو قبول کرتے ہیں مگر کیوں؟ اس لیے کہ جواد علی نے اپنی کتاب ''المفصل فی تاریخ العرب''میں المحبر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عرب مسواک کیا کرتے تھے۔ (میزان:164)

لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ محمد رسول اللہ کے قول کو دین قرار پانے کے لیے ابولہب، ابوجہل اور پولس کی سند کی ضرورت ہے!!

میزان میں غامدی صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو دین تسلیم کیا ہے کہ جس کسی کا قربانی کا ارادہ ہو وہ ذی الحجہ کے شروع سے قربانی کرنے تک نہ بال کاٹے نہ ناخن (صحیح مسلم)۔ اس پر کسی نے سوال کیا کہ آپ نے اس حکم نبوی کو دین کیسے مان لیا؟ یہ تو آپ کے اصول کے خلاف ہے کہ کسی ایسی

چیز کو دین مانا جائے جس کی اصل یہود و نصاریٰ یا مشرکین عرب میں چلی آ رہی ملت ابراہیمی کی دینی روایت میں نہ ملتی ہو۔اس کے جواب میں غامدی صاحب کے رسالے (شمارہ نومبر 2018ء) میں بڑی تفصیلی تحریر شائع کی گئی، جس میں دکھایا گیا کہ یہ چیز ملتِ ابراہیمی کی روایت میں موجود تھی اور اس میں بائبل کے بھی بہت سے حوالے دیے گئے،اس لیے حدیث کے اس حکم کو دین کا حصہ مانا گیا ہے۔

عجب بات یہ ہے کہ حدیث کے ذریعے ہم کو ایسے بہت سے احکام ملے ہیں،جن کا کوئی سراغ ملت ابراہیمی کی قدیم وموروث دینی روایت میں نہیں ملتا اور قرآن نے بھی ان کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے؛ مگر غامدی صاحب ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ عیدین دین کا حصہ ہیں۔کوئی ان سے پوچھے کیا عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا رواج عہد نبوی میں ملتِ ابراہیمی کی روایت میں کہیں تھا؟ عرب کے مشرکانہ تہوار اور میلوں ٹھیلوں کو ختم کر کے حدیث نے ہم کو عیدین کے دینی تہوار دیے۔ یہ سب حدیث ہی سے ہم کو ملا ہے۔ پھر وہ عید کی نماز کو بھی لازم قرار دیتے ہیں۔ کیا عیدین کا کوئی تذکرہ قرآن میں ہے؟ کیا مشرکین مکہ بیت اللہ میں یا عیسائی ایلیاء میں اس کو قائم کرتے تھے؟ کیا یہود مدینے میں عیدین کی نماز پڑھتے تھے؟

غامدی حلقے کو نماز جنازہ کا بھی قائل نہیں ہونا چاہیے؛اس لیے کہ انہوں نے اپنے نزدیک دین کے جو دو اور صرف دو مآخذ قرار دیے ہیں یعنی قرآن اور ''ملت ابراہیمی کی وہ روایت،جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی رکھا اور جاری فرمایا'' اس روایت میں ہم کو نماز جنازہ نہیں ملتی ہے؛ مگر غامدی صاحب اس کو دین کا حصہ مان رہے ہیں۔ یہ کسی طرح خدا کی عبادت والی وہ نماز نہیں ہے،جس کا حکم ''اقیمو الصلوٰۃ'' کہہ کر دیا گیا ہے۔ یہ اصل میں میت کے لیے دعا کی ایک واجب رسم ہے اور کوئی شک نہیں کہ خدا کی عبادت والی نماز سے بالکل الگ ایک مستقل حکم اور دین کا مستقل حصہ ہے۔ یہ تمام وہ احکام ہیں،جن کو اللہ کی وحی غیر متلو کے ذریعے منصب رسالت سے دین قرار دیا گیا۔

بوالعجبی کی انتہا:

غامدی صاحب کے لیے ایک مسئلہ یہ پیش آیا کہ ان کے بقول،قرآن نے جانوروں میں سے صرف چار چیزوں یعنی مردار جانور،خون (دم مسفوح)،غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانور اور سور کے گوشت کی حرمت بتائی ہے۔باقی بہت سی اشیا کے حرام ہونے کی خبر ہمیں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہے۔

مثلاً تمام درندے جیسے شیر، چیتا، کتا، بھیڑیا، جانوروں میں ہاتھی گدھا، نیز پرندوں میں چیل، عقاب، گدھ، وغیرہ تمام امت ان کو صرف ارشاد رسول ہی کی وجہ سے حرام مانتی آئی ہے۔ تو غامدی صاحب کیا کریں؟

اگر یہ کہیں کہ یہ سب چیزیں حرام نہیں ہیں؛ اس لیے کہ ان کے نزدیک حدیث سے تو شریعت ثابت ہی نہیں ہوتی، تو بڑی گھناؤنی بات ہوگی اور اگر ان چیزوں کو حرام کہیں تو اپنی فکر کی ساری عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔ اس مخمصے کا انہوں نے ایک حل نکالا اور کیا ''خوب'' حل نکالا!!

انھوں نے ارشاد فرمایا کہ یہ دراصل انسان اپنی فطرت سے ہی جانتا ہے کہ یہ چیزیں گندی ہیں اور کھانے پینے کے لیے نہیں بنی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو جو حرام قرار دیا ہے، وہ کوئی شریعت کا بیان اور حکم نہیں ہے۔ محض فطرت انسانی کا بیان ہے۔ ان کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لوگوں (یعنی پوری امت کے تمام علما) سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے ان باتوں کو شریعت کا بیان سمجھ لیا، حالانکہ وہ صرف فطرت کا بیان ہے۔

غامدی صاحب کہتے ہیں:

''جانوروں کی حلّت وحرمت میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ چار ہی چیزیں ہیں''۔ یعنی مردار جانور، خون (دم مسفوح)، غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور اور سور کا گوشت؛ چنانچہ قرآن نے بعض جگہ ''قل لا أجد فی ما اوحی إلیّ'' اور بعض جگہ ''إنما'' کے الفاظ میں پورے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی حلت وحرمت کے باب میں صرف یہی چار چیزیں حرام قرار دی ہیں۔۔۔۔ (میزان، ص:63)

باقی وہ چیزیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا، جیسے تمام درندے جیسے شیر، چیتا، کتا، بھیڑیا، جانوروں میں ہاتھی، گدھا، نیز پرندوں میں چیل، عقاب، گدھ وغیرہ۔ ان کے بارے میں جنابِ موصوف فرماتے ہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں کو شریعت کا بیان نہیں سمجھتے، محض فطرت انسانی کا بیان سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''انسان کی فطرت بالعموم اس کی صحیح رہنمائی کرتی ہے اور وہ بغیر کسی تردد کے فیصلہ کر لیتا ہے کہ اسے کیا کھانا چاہیے اور کیا نہیں کھانا چاہیے۔ اسے معلوم ہے کہ شیر، چیتے، ہاتھی، چیل،

کوے، گدھ، عقاب، سانپ، بچھو اور خود انسان کوئی کھانے کی چیز نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ گھوڑے، گدھے، دسترخوان کی لذت کے لیے نہیں، سواری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ ان جانوروں کے بول و براز کی نجاست سے بھی وہ پوری طرح واقف ہے''۔

آگے فرماتے ہیں:

''بعض روایتوں میں (یہ جو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچلی والے درندوں، چنگال والے پرندوں اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے، اوپر کی بحث سے واضح ہے کہ یہ اُسی فطرت کا بیان ہے، جس کا علم انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے۔ لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے اسے بیانِ فطرت کے بجائے بیانِ شریعت سمجھا، درآں حالیکہ شریعت کی اُن حرمتوں سے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں، اس کا سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے''۔

یعنی کتا، بلی، گدھا، سانپ، بچھو، چیل اور گدھ کھانا محض فطرت انسانی کے خلاف ہے، کوئی کھائے تو یہ دینی طور پر حرام نہیں ہے۔

غرض تضادات کی ایک دنیا ہے۔ غامدی صاحب نے ایک غلط تصورِ دین قائم کرلیا، پھر خود ان کو اس کے نتائج کا یارانہ رہا۔ یہاں غامدی صاحب کا اصول ان سے تقاضہ کرتا تھا کہ وہ کہیں کہ حدیث سے دین میں چوں کہ کوئی نیا حکم ثابت ہی نہیں ہوسکتا اور ''یہ چیز حدیث کے دائرے ہی میں نہیں آتی کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ بن سکے'' (میزان، ص:۱۶، ایڈیشن ۲۰۱۴ء)۔ اس لیے ان کی حرمت کا خیال شریعت سے ثابت نہیں ہے۔ یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ انہوں نے کتے، بلی، گدھے، شیر چیتے، چیل، باز اور سانپ بچھو کو حرام سمجھ رکھا ہے۔

جب غامدی صاحب کا اصول یہ ہے کہ ''یہ چیز حدیث کے دائرے ہی میں نہیں آتی کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ بن سکے'' اور اس سے ''دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا''۔ (میزان، ص:15) تو پھر یقیناً وہ کتے، بلی، چیتے، شیر، گدھے اور سانپ بچھو کو دین میں حرام نہیں کہہ سکتے۔

غامدی صاحب کے انکارِ حدیث کا یہی منطقی تقاضہ اور لازمی نتیجہ ہے؛ مگر وہ بہت ذہین آدمی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ تو ان کے عقیدے و مسلک سے لوگوں کو متنفر کردے گا اور پھر کون مسلمان ان کے لیکچرز سنے گا اور

ان کو ''اسلامی اسکالر'' مانے گا؟ اور کون ان کے حقیقی فکر کے نتائج کو سن کر کان نہ پکڑے گا کہ ایسی گمراہی سے خدا کی پناہ!!! اس لیے انہوں نے ایک مضحکہ خیز تاویل اختیار فرمائی اور ایسا عجیب وغریب جوڑ بٹھایا کہ یہ کسی طرح ذہن قبول نہیں کرتا کہ غامدی صاحب جیسا ذہین وزیرک انسان ایسی لچر باتوں پر کبھی اپنے دل کو مطمئن کرسکا ہوگا۔

کل کو غامدی صاحب کا کوئی خوشہ چیں ان کے اسی اصول کو لے کر یہ کہہ سکتا ہے:

''استاذ امام'' کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ کتا، بلی، لکڑ بگڑ، چیتا، ہاتھی، گدھا اور گدھ، چیل وغیرہ انسانی فطرت کی رو سے کھانے پینے کی چیز نہیں۔ نہ جانے کتنی اقوام کی مرغوب غذا میں کتا اور بندر شامل ہے۔ چینیوں کے یہاں سانپ نہایت لذیذ وپسندیدہ کھانا ہے۔ جن اقوام نے یہ چیزیں نہیں کھائیں، یہ ان کے ''کلچر'' کی روایت ہے۔ یہ مزعومہ کہ ان چیزوں سے نفرت فطرت انسانی میں ودیعت ہے، اس کی کوئی دلیل سوائے ''استاذ امام'' کے ذوق کے نہیں۔

رہی یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے؟ تو وہ کوئی مسئلہ نہیں۔ اس لیے کہ ہمارے موقف میں جس کو ہم نے ''پوری قطعیت کے ساتھ واضح'' کردیا ہے، ''یہ چیز حدیث کے دائرے ہی میں نہیں آتی کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ بن سکے''۔ لہٰذا کتے، چیتے، بلی، ہاتھی، بندر، سانپ، بچھو کو لوگوں نے غلط حرام قرار دے دیا ہے۔ نہ فطرت انسانی کی رو سے یہ چیزیں کھانے کے قابل ہیں اور نہ خدا کی شریعت کے محرّمات میں سے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس شاگرد رشید کا موقف بڑا کریہہ اور وحشت انگیز ہے؛ لیکن ہے سو فیصد غامدی صاحب کے اصول ومنطق اور ان کے دینی عقیدہ پر قائم۔ دین کے اگر غامدی اصول قبول کرلیے جائیں تو شریعت کے تین چوتھائی حصے کو دریابرد کرنا بس اسی جیسی چند تقریر ہائے دل پذیر کا محتاج رہ جائے گا۔

سارے انحراف کی بنیاد:

سب سے بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت کی چودہ صدیوں بعد ایک شخص کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ دین کا ماخذ کیا ہے، یہ مسلمانوں کے اگلوں نے سمجھا نہ پچھلوں نے۔ میں وہ فرد فرید ہوں، جو یہ پتہ لگانے میں کامیاب ہوا ہے کہ دین کا ماخذ کیا ہے۔

حیرت سے دماغ ششدر رہ جاتا ہے کہ غامدی صاحب جیسا ایک اچھا خاصا سمجھدار آدمی کیسی باتیں کر رہا ہے! وہ کہتا ہے کہ اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے صحابہ ہزار ہا ہزار کی تعداد میں ہوئے، یہ بھی مانتا ہے کہ وہ چمن انسانیت کے گل سرسبد اور شجر اسلام کے بہترین ثمر تھے اور یہ بھی کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی تبلیغ وتفہیم میں کوئی کسر نہ چھوڑی، مگر ساتھ ہی کہتا ہے کہ رسول، اپنے ان صحابہ کے لیے جو خلاصہ انسانیت تھے، یہ تک واضح نہ کر سکا کہ اسلام کے ماخذ کیا ہیں؟ صحابہ کے بعد امت کی جو ساری علمی تاریخ ہے جس کے تسلسل میں تابعین عظام، ائمہ اسلام، اور بے شمار علما کی قطاریں کھڑی ہیں، وہ سب دین کے معاملے میں (معاذ اللہ) ایسے جاہل وکم مایہ ہوئے کہ ان کو یہ تک پتہ نہیں چل سکا کہ دین ان کو کہاں سے لینا ہے؟

آج غامدی صاحب نے دنیا کے سامنے یہ حقیقت واضح فرمائی کہ ''دین کے لاریب صرف دو ماخذ ہیں: ایک قرآن اور دوسرے ملت ابراہیمی کی وہ روایت جو یہود ونصاریٰ میں اور عرب کے مشرکین میں چلی آرہی تھی، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تائید وتصویب کے ساتھ امت میں دین کی حیثیت سے جاری کیا۔ ان دونوں کے علاوہ کوئی چیز نہ دین ہوسکتی ہے اور نہ اسے دین قرار دیا جاسکتا ہے''۔

پھر طرفہ دیکھیے! غامدی صاحب اس قدر بڑا دعویٰ فرماتے ہیں اور دین کا ماخذ واصل (source) ایسا نیا بیان کرتے ہیں، جو آج تک کسی نے نہیں بتایا اور ماشاء اللہ پوری کتاب ''میزان'' اپنے اس دعوے کی دلیل سے خالی!! یعنی دلیل کے نام پر کوئی معمولی سی چیز بھی اس کی جناب پیش نہیں فرماتے کہ محمد رسول اللہ کا کوئی حکم یا تحلیل وتحریم کا کوئی ارشاد صرف اسی وقت دین اور شریعت قرار پائے گا جب وہ ملت ابراہیمی کی روایت کا حصہ ہو۔ اتنا بڑا دعویٰ اور حجت بس یہ کہ میں یہ سمجھتا ہوں!!

سبحانَ مظہر العجائب! خدایا! رحم فرما۔

اس تحریر کا مقصد غامدی صاحب کی تردید اور ان کے افکار کا علمی جائزہ لینا نہیں ہے۔ بس مطمح نظر یہ ہے کہ یہ واضح کر دیا جائے کہ وہ بنیادی طور پر ایک خاص طرح کے منکر حدیث ہیں اور یہ کھول کر سامنے رکھ دیا جائے کہ ان کے فکر ومسلک کے کیا لازمی نتائج ہیں۔

انھوں نے اپنے نزدیک جو دین طے کیا اور اپنی کتاب میزان کے دیباچہ میں اس اظہار وعلان کے

ساتھ پیش کیا ہے:

''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔کم وبیش ربع صدی کے مطالعہ وتحقیق سے میں نے اس دین کو جو کچھ سمجھا ہے، وہ اپنی اس کتاب میں پیش کر دیا ہے۔''

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا یہ مقام نہیں ہے کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ قرار پا سکے۔ ہاں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم وارشاد کی تائید ''ملت ابراہیمی کی روایت'' سے ہوجائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دین میں جگہ پا جائے گا۔ ورنہ چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو حرام کہیں یا اس کے مرتکب پر لعنت بھیجیں یا اس پر اللہ کے عذاب کی وعید سنائیں یا کسی چیز کو من جملہ واجبات فرمائیں اور حکم دیں، وہ چیزیں ضروری یا دینی حکم کا درجہ نہیں پا سکیں گی۔ ایسے موقعے پر کسی خوبصورت سی عبارت کے ذریعے ان احکامِ رسول کو غامدی دین میں ''لغو'' قرار دے دیا جائے گا؛ اس لیے کہ ان کے یہاں تو ''یہ چیز حدیث کے دائرے ہی میں نہیں آتی کہ وہ دین میں کسی نئے حکم کا ماخذ بن سکے''۔

غامدی صاحب اپنی ان واضح عبارتوں کے باوجود اگر یہ اصرار فرماتے ہیں کہ حدیث وسنت کے بارے میں ان کا اور عام علماء سلف کا مؤقف حقیقت میں ایک ہی ہے، اختلاف صرف اصطلاح کا یا علمی ترتیب کا ہے، جیسا کہ انہوں نے بھی کہا ہے اور ان کے وکلاءِ صفائی بھی گھما پھرا کر کہتے رہتے ہیں (اور ہماری بھی دلی دعا ہے کہ ایسا ہوجائے) تو ان کو واضح طور پر اپنی اِن مذکورہ عبارتوں سے رجوع کرنا چاہیے۔ یہ عبارتیں انہوں نے اپنی سب سے مرکزی کتاب میں لکھی ہیں۔ ان کا مطلب بالکل واضح ہے اور خود ان کے رسالے نے اسی مفہوم کے مطابق ان کی آراء کی توجیہ کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ ان کی رائے کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم یا عمل اسی وقت دین قرار پاتا ہے، جب اس کی اصل ملتِ ابراہیمی کی قدیم روایت میں پائی جاتی ہو۔

اس بنیادی مسئلے کی وضاحت کے بعد ان کی تاویلات وتوجیہات اور اختراعات کے تفصیلی جائزے کی ضرورت شاید نہیں رہتی۔ ان کی بعض آراء صحیح ہوسکتی ہیں؛ لیکن ایسی بنیادی گمراہی کا حامل شخص دین کے سلسلے میں لائق توجہ قطعاً نہیں رہتا۔ ایسے حضرات سے دین سیکھنا بڑی غلطی کی بات ہے۔

ہم اللہ سے جہاں اپنے لیے بھی ہدایت واستقامت اور توفیق ارزانی کی دعا کرتے ہیں، اُن کے

لیے بھی کرتے ہیں کہ اللہ ان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین حق کی سمجھ اور امت کی بہترین نسل صحابہ کرامؓ کے طرز پر دین کے فہم کی توفیق عطا فرمائے!

حضرت علیؓ کا ایک عجیب فیصلہ

حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ نے یمن بھیجا تھا۔ وہاں کے لوگ شیر کا شکار کرنے کے لیے ایک گڑھا کھودا کرتے تھے اور مختلف تدبیروں سے شیر کو اس گڑھے میں گرا کر اس کا شکار کرتے تھے۔ ایک دن اُنہوں نے ایسا ہی ایک گڑھا کھودا اور شیر کو اس میں گرا دیا۔ آس پاس کے لوگ تماشا دیکھنے کے لیے گڑھے کے اردگرد جمع ہو گئے اور اتنی دھکم پیل ہوئی کہ ایک آدمی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گڑھے میں گرنے لگا۔ گرتے گرتے اس نے سنبھلنے کے لیے ایک پاس کھڑے آدمی کا ہاتھ پکڑا۔ اس سے دوسرے آدمی کے بھی پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھی گرنے لگا۔ اس نے سنبھلنے کے لیے ایک تیسرے آدمی کا ہاتھ پکڑا اور تیسرے آدمی نے چوتھے کا، یہاں تک کہ چاروں گھڑے میں آ رہے۔ شیر ابھی زندہ تھا۔ اس نے چاروں کو اتنا زخمی کیا کہ وہی ان کی موت واقع ہو گئی۔ اب مرنے والوں کے رشتہ داروں میں جھگڑا ہو گیا کہ ان کا خون بہا کون دے؟ گفتگو میں تیزی آ گئی اور تلوارے نکل آئیں اور خون ریزی ہوتے ہوتے بچی۔ حضرت علیؓ نے فیصلہ فرمایا کہ ان چاروں کی دیت (خون بہا) گڑھا کھودنے والے پر ہے، لیکن اس ترتیب سے کہ پہلے کو چوتھائی دیت، دوسرے کو تہائی دیت، تیسرے کو آدھی دیت اور چوتھے کو پوری دیت ملے گی۔ بعد میں یہ قصہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی تصویب فرمائی۔

علامہ قرطبیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس فیصلے کی وجہ یہ ہے کہ چاروں خطاءً قتل ہوئے تھے اور گڑھا کھودنے والا ان کی دیت کا ذمہ دار تھا، لیکن پہلا شخص مقتول ہونے کے ساتھ ساتھ تین آدمیوں کو کھینچنے کی وجہ سے ان کا قاتل بھی تھا، لہٰذا جو دیت اس کو ملتی اس کے تین حصے ہر مقتول پر تقسیم ہو کر اس کے لیے صرف چوتھائی حصہ بچا۔ اسی طرح دوسرا شخص دو آدمیوں کا قاتل ہے، اس لیے اس کے دیت کے دو تہائی حصے اس کے دو مقتولوں کو اور ایک حصہ خود اس کو ملے گا۔ تیسرا شخص ایک آدمی کا قاتل تھا، اس لیے آدھی دیت اس کے مقتول کی اور آدھی دیت خود اس کی ہو گی اور چوتھے نے چونکہ کسی کو نہیں کھینچا، اس لیے اسے پوری دیت ملے گی۔ (تراشے، ص:77,78)

﴿تحقیقی مضامین﴾

جوزف کرافٹ کے اعتراض کا جواب

(پہلی قسط)

علامہ شمس الحق افغانیؒ

اس مضمون کا پس منظر یہ ہے کہ جوزف کرافٹ نامی ایک مغربی مفکر نے اسلام کے خلاف اور عیسائیت کی حقانیت پر ایک مضمون لکھ کر ہیرالڈ انٹرنیشنل سے شائع کر کے پوری دنیا میں تقسیم کرا دیا۔ پاکستان میں بھی یہ مضمون آیا۔ اس مضمون میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ دنیا میں صرف عیسائیت ہی ایک قابل قبول مذہب ہے۔ یہ مضمون محترم جناب سابق صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم کی نظر سے گذرا۔ چونکہ آپ ایک مذہبی فکر رکھنے والی شخصیت تھے، اس لیے آپ نے اس کا نوٹس لیا اور حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ کی خدمت اقدس میں اس کا جواب لکھنے کی درخواست کی۔ حضرت نے جناب جنرل ضیاء الحق کی درخواست قبول کرتے ہوئے اس مضمون کے جواب میں زیرِ نظر مضمون تحریر کر دیا۔ بعد ازاں اس مضمون کو جنرل ضیاء الحق صاحب نے اسی طرح پوری دنیا میں پھیلا دیا۔ اس کے بعد عیسائی مفکروں کو آج تک اس مضمون کا جواب لکھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

جوزف کرافٹ کے مضمون کا مقصد ہمدردی کے لباس میں مسلمانوں کو اِس اَمر پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ نام نہاد ترقی کی خواہش کی تکمیل کی خاطر اسلام کی تحریف پر آمادہ ہو جائیں۔ جیسے کہ مسیحی مذہب میں پُولوس یہودی، سینٹ پال اور لوتھر کے ذریعے ہُوا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ مسیحی مذہب کو حضرت مسیحؑ سے کوئی تعلق نہیں رہا، بلکہ اُس کو پُولوس یہودی مذہب قرار دینا ہی زیادہ موزوں ہوگا۔ مشہور مسیحی محقق البستانی جو کٹر مسیحی ہیں ''دائرۃ المعارف'' میں لکھتا ہے کہ ''تثلیث'' کا لفظ سب سے پہلے سینٹ پال اور پُولوس سے سنا گیا، جو متعصب یہودی تھا اور اُس نے مسیحی توحید کو شرک سے آلودہ کر کے سکھ کا سانس لیا"۔

انجیل کا حال یہ ہے کہ وہ ایک تھی اور اب چار ہیں۔ نجار مصری قصص الانبیاء میں لکھتے ہیں کہ ابتدائی

تین صدیوں میں ایک سو سے زائد انجیلیں تھیں، بعد میں اُن سے صرف چار کا انتخاب کر کے باقی کو ترک کر دیا گیا اور یہ فیصلہ بھی نالیسیا کونسل نے ایک فال کے بنا پر کیا۔ پھر اُن چار اَناجیل کا یہ حال ہے کہ یورپ سکٹس کے قدیم کتب خانہ سے انجیل برناباس برآمد ہوئی، جس کے مضامین دربارۂ ولادتِ مسیحؑ اور بشارتِ پیغمبرؐ کی رسالت پر مشتمل تھے۔ پوپ کا مقرب شاگرد فرامرشو اُس کو دیکھ کر مسلمان ہوا۔ یہ انجیل اصلی تھی۔ المنار پریس میں چھپ گئی ہے۔ محققینِ یورپ متفق ہیں کہ اِن انجیلوں میں سے ایک بھی حضرت مسیح کی نہیں اور نہ اُن کا ترجمہ اور نہ اُن کی سند ہے۔ پھر بھی محققینِ مسیحیت کا اِن انجیلوں کے متعلق یہ رائے ہے کہ یہ اناجیلِ اربعہ صحیح ہیں۔ یعنی انجیلِ متی، مرقس، لوقا اور یوحنا۔

انجیل متی:

قُدمانصاریٰ کا اتفاق ہے کہ یہ اصل انجیل نہیں اور نہ اُس کا ترجمہ ہے اور بالفرض اگر ترجمہ ہے تو نہ ترجمہ کا زمانہ معلوم ہے اور نہ مترجم کا نام اور نہ متی حضرت عیسیٰؑ کا صحابی ہے۔

انجیلِ مرقس:

پطرس گوانا گو مروج الاخبار میں لکھتا ہے کہ مرقس یہودی تھا، جس نے رومیوں کے مطالبہ پر یہ انجیل لکھی۔ غالباً 60ء میں لکھی۔

انجیلِ لوقا:

مسٹر گولڈ رسالہ الہام میں لکھتا ہے کہ لوقا کی انجیل الہامی نہیں، کیوں کہ لوقا نے خود ابتدا میں لکھا ہے کہ اُس نے یہ انجیل شاہ فیلس کے ساتھ خط و کتابت کی بنیاد پر لکھی۔ لوقا انطاکیہ میں ملازمت کرتا تھا۔ مسیحیت کو اُس نے بدترین دشمنِ مسیحیت سینٹ پال سے لیا تھا اور ابنیت، کفارہ، شراب نوشی، مردار اور خنزیر کی حلت مسیحیت میں داخل کی۔

انجیلِ یوحنا:

کیتھولک ہیرالڈ جلدے میں پروفیسر لق سے منقول ہے کہ انجیلِ یوحنا از ابتدا تا انتہا اِسکندریہ کے ایک طالب علم کی تصنیف ہے۔ (الفاروق باچہ زادہ ص ۲۴۳)

مسیحی محققین کی ان آرا کے علاوہ خود بائبل میں ایسے مضامین موجود ہیں جو موجبِ توہینِ خدا و توہینِ

انبیا علیہم السلام اور موجبِ توہینِ شریعت ہیں جو تحریف کی داخلی شہادت ہے۔

بائبل کی تحریف کی داخلی شہادت:

اگر تاریخی شہادتوں اور خود محقّقینِ یورپ کے اقرار سے قطع نظر کی جائے تو خود بائبل کے اندر ایسے مضامین موجود ہیں، جن سے اِن کی تحریف نُمایاں طور پر واضح ہو جاتی ہے۔

دین و مذہب میں بنیادی مسائل تین ہیں:

(1) تصورِ الوہیت (2) تصورِ نبوت (3) تصورِ مجازاتِ اعمال یا آخرت۔ ہر مذہب کے یہ بنیادی اُصول ہیں۔

1۔تصورِ اُلوھیت :

میں خدا کی عظمت و تنزیہ اور تقدّس کا ہونا ضروری ہے، تا کہ انسان اُس کی صحیح معرفت کو پا سکے اور قلب اُس کی شانِ جلال و جمال سے منور و معمور ہو سکے۔

2۔تصورِ نبوت:

کو ایسے انداز سے پیش کیا جائے کہ انسان کا دل و دماغ نبی کی عظمت و عصمت کے آگے جھک جائے اور اس کی اطاعت کی تڑپ اس کے دل میں پیدا ہو۔

3۔تصورِ مجازات و جزاءِ اعمال:

کا نقشہ ایسا ہو کہ انسان کو نیکی کی ترغیب اور بدی سے خوف اور نفرت دلائے اور نتائجِ اعمال کا دینی تصور اس کو اطاعت پر آمادہ کرے اور معصیت سے روک دے، کیوں کہ اِبشار و نتائج خیر اور اِنذار و نتائج شر کا مقصد انسانی شخصیت کی اصلاح اور جماعتی زندگی کی پاکی ہے۔اسی معیار پر اب ہم بائیبل کی تعلیمات اور ہدایات کو پرکھتے ہیں کہ وہ تینوں تصورات کے مقاصد کو کہاں تک پورا کرتی ہے۔

تصورِ الوھیت اور بائبل:

۱۔خداوند زمین پر انسانی پیدائش کرنے سے پچھتایا اور دل گیر ہوا۔

۲۔پچھتاتے پچھتاتے میں تھک گیا۔(کتاب: پرسیایا، ب۵، درس۶)

مذکورہ الفاظ سے خدا کا جاہل اور مغموم ہونا اور تھکنا ثابت ہوتا ہے، جو کسی طرح اللہ کی شایانِ شان نہیں۔

۳۔تم بیشک اُس زمین کو نہ پہنچو گے، جس کی بابت میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تمہیں وہاں بساؤں گا۔(تورات

:گنتی،باب۴۱)

اِس کے بعد پھر آیت ۵۳ میں ہے:

تب تم میری عہد شکنی کو جان لوگے۔

قسم یا عہد کو توڑنا شریف انسان کی شایانِ شان نہیں، چہ جائیکہ خالقِ کائنات کی طرف سے عہد شکنی ہو۔

۴۔یعقوب صبح صادق تک تمام رات خدا کے ساتھ کشتی کرتا رہا اور صبح جب جانے لگا تو یعقوب نے بغیر برکت لیے جانے نہ دیا۔(پیدائش،باب۲۳،آیت۴۲)

۵۔خدا ان کے اندامِ نہانی کو اُکھاڑ دے گا۔(کتاب،لیسعیا،باب۳،آیت۵۱)

۶۔خدا خیمے کے دروازے پر کھڑا ہوا اور اس کے منہ سے آگ اور نتھنوں سے دھواں نکلا اور سوار ہو کر دوڑا۔ لوگوں نے موسیٰ وہارون کے ساتھ خدا کو کرسی پر بیٹھے دیکھا اور کھایا پیا۔اس کا لباس سفید برف کا سا تھا اور اس کے سر کے بال ستھرے اُون کی مانند تھے۔

۷۔ہمارا خدا یہودا سے پیدا ہوا۔(عبرانیوں،باب۷،آیت۴۱)

۸۔خدا کی بیوقوفی لوگوں کی حکمت سے اور اُس کی کمزوری لوگوں کے زور سے زیادہ ہے۔

۹۔تُو میرا بیٹا ہے،تو آج مجھ سے پیدا ہوا۔(اعمال، باب۳۱،آیت۲۳)

اِن حوالہ جات سے آپ خدا کے بائیبلی تصور کا اندازہ لگا لیجیے،جس سے بڑھ کر خدا کی توہین اور کیا ہوسکتی ہے؟ پھر قرآن کا یہ حکم کہ﴿ لیس کمثله شی،ولم یکن له کفوا احد ﴾کو تصور کیجیے کہ خدا کی ہستی کسی شے کی مانند نہیں اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔

بائیبل اور تصور نبوّت:

۱۔نوح شراب پی کر بدمست ہوگئے،ستر ان کا برہنہ ہوا اور ان کے بیٹوں نے ڈھانکا۔(پیدائش،باب۹۱)

۲۔لوط نے شراب پی کر اپنی بیٹیوں سے زنا کیا اور یہ معاملہ دوبار وقوع میں آیا۔(پیدائش،باب۹۱)

۳۔حضرت یعقوب نے بکری کے بچوں کی کھال ہاتھ پر لپیٹ کر جھوٹ بولا اور اپنے باپ کو دھوکا دینے کے لیے اپنا نام عیص بتلایا۔(پیدائش،باب۷۲)

۴۔حمور کے بیٹے سکم نے حضرت یعقوب کی بیٹی دسا سے زنا کیا۔(پیدائش،باب۴۳)

۵۔بنی اسرائیل کے کہنے سے موسیٰ کی غیبت میں ہارون نے زیور کا بت بنوایا اور بنی اسرائیل سے اس کا پوجا کروایااوراس کے لیےقربانی گذارنے کاحکم دیااور کہایہ تمہارامعبود ہے،جوتم کومصر کی زمین سے نکال لایا۔

٦۔داؤدبام پر چڑھتے تھےحتیٰ کہ اوریا کی جوروکونہاتے دیکھ کراس پرفریفتہ ہوااور بلواکراس سے زنا کیا۔جب وہ حاملہ ہوئی تواس کے خاوندکومکر سے مرواڈالا۔(سموئیل کی دوسری کتاب،باب۱۱)

۷۔حضرت سلیمان نے باوجودممانعت کے موابی اورعمونی بت پرست عورتوں کو بیوی بنایااورخواہشِ نفسانی کی یہ طغیانی ہوئی کہ سات سوبیگمات اور تین سوحرموں تک نوبت پہنچی۔پھران پر یہاں تک عاشق اورمریدزن ہوئے کہ بتولی کی طرف مائل ہوئےاورآخری عمر میں ایمان کوبھی سلام کرگئے۔(اول سلاطین،باب۵۱)

۸۔ہم ایمان لاتے ہیں کہ تو خدا سے نکلا ہےیعنی یسوع۔(یوحنا،باب۱٦،آیت۳)

۹۔یسوع نے کہا کہ آسمان اورزمین کاکلی اختیار مجھے دیا گیا۔(متی،باب۸۲،آیت۸۱)

۱۰۔جتنے مجھ سے پہلے آئے ہیں،وہ سب چوراورڈاکو ہیں۔(یوحنا،باب۱۰،آیت۳۷)

نبی اُمت کے لیےنمونہ عمل ہوتا ہے۔کیانبیوں کی یہ شان مقصدِ نبوت کوپورا کرسکتی ہے؟

بائیبل اورمُجازاتِ اعمال:

۱۔جتنے لوگ شریعت پرتکیہ کرتے ہیں،وہ سب لعنت کے ماتحت ہیں۔(گلتیون،باب۳،آیت۱)

۲۔خداکسی کی عدالت نہیں کرتا۔اس نے عدالت کا سارا کام اپنے بیٹے کے سُپرد کیا۔(یوحنا،باب۵۱،آیت۱۲)

۳۔مسیح جوہمارے لیےلعنتی بنا،اس نےہمیں مول لیکرشریعت کی لعنت سےچُھڑایا۔(گلتیون،باب۳،آیت۳۱)

۴۔وہ نہ صرف ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے،بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی کفارہ بنے۔(یوحنا کا پہلا عام خط،باب۲۱،آیت۲)

۵۔پادریوں کوگناہ بخشوانے کااختیار ہے،جن کے گناہ تم بخشواؤ،وہ بخشے گئےاورجن کے گناہ تم قائم رکھووہ قائم رکھے گئے۔(یوحنا،باب۲۱،آیت۲۲)

کیااس تصورمجازات کے بعدنیکی کرنےاورگناہ سے بچنے کا جذبہ باقی رہ سکتا ہے؟اس سےمعلوم ہوا کہ یہ سب تحریفات ہیں۔اناجیل میں کسی ایک انجیل کا بھی حافظ معلوم نہیں،لیکن اس کے برخلاف قرآن کریم اس کے عہدنبوت خاتم الانبیا سے لےکراب تک لاکھوں حفاظ وقرّا کے سینوں میں محفوظ چلا آرہا ہے۔خدانے

قرآن میں بھی اس کی حفاظت کا ذکر کیا ہے۔﴿انانحن نزلناالذکر وانالہ لحافظون﴾

ترجمہ:۔ہم نے قرآن اُتارا ہے اور ہم اِس کی حفاظت ضرور کرتے رہیں گے۔

اسی طرح کئی آیات ہیں۔قرآن کی حفاظت تحریری کا یہ حال ہے کہ عہد نبوت سے اب تک کتابی اور تحریری صورت میں بھی محفوظ چلا آ رہا ہے اور تمام نُسخہ جاتِ قرآن میں کوئی فرق نہیں، بلکہ تعداد سور قرآن، تعدادِ آیات، تعدادِ کلمات، تعدادِ حروف اور تعدادِ ضمات وکسرات وفتحات اور سکونات سب محفوظ ہیں۔یہاں تک کہ ترتیب سور وآیات بھی الٰہی اور توفیقی ہے۔

مکّی ومدنی تعدادِ سُوروآیات وکلمات وحروف کے بیان میں:

مکی ومدنی سُور ہونے کے متعلق تین اصطلاحات ہیں:

۱۔جو سورتیں آغاز ہجرت کے زمانہ سے پیشتر نازل ہوئیں ہیں، وہ مکی ہیں اور جو بعد میں نازل ہوئیں، وہ مدنی ہیں۔

۲۔جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں، وہ مکی ہیں۔مکہ سے مراد مکہ اور اُس کے مضافات دونوں ہیں: جیسے منیٰ وعرفات وحدیبیہ ہیں اور جو مدینہ میں نازل ہوئیں، وہ مدنی ہیں۔مدینہ سے بھی مدینہ اوراس کے مضافات مراد ہیں مثلاً بدر، اُحد وسلع۔

۳۔جن آیات میں اہلِ مکہ کو خطاب ہے، وہ مکی ہیں اور جن میں اہلِ مدینہ کو خطاب ہے، وہ مدنی ہیں۔مشہور پہلا قول ہے مکی اور مدنی کی معرفت اقوال صحابہؓ وتابعینؒ سے معلوم ہوتی ہے، جیسے کہ ابوبکر بن العربی نے ''الانتصار'' میں لکھا ہے مکی ومدنی کے متعلق حضورﷺ کا کوئی فرمان منقول نہیں۔مکی ومدنی کے معلوم کرنے کا یہ فائدہ ہے کہ نزول میں جو آیات متقدّم ہیں اور جو متاخّر ہیں ان کا علم ہوجاتا ہے، جو نسخ وتخصیص کی معرفت میں کارآمد ہے۔ ابوالحسن بن الحصار سے منقول ہے کہ بیس بالاتفاق مدنی ہیں اور بارہ سورتیں مختلف فیہا ہیں، باقی سب مکی ہیں، لیکن اُبی بن کعب کے نزدیک ستائیس سورتیں مدنی ہیں، باقی مکی ہیں۔

تعدادسُور قرآن:

تعدادسُور قرآن میں مشہور دواقوال ہیں:

۱۔قرآن کی سورتیں ایک سو چودہ ہیں، یعنی سورۃ انفال وبراءت الگ الگ سورتیں ہیں۔

۲۔دوسرا قول یہ ہے کہ تعداد سُورِ قرآن ایک سو تیرہ ہیں،یعنی انفال و براءت ایک سورت شمار کی جاتی ہے۔

قرآن کو سورتوں میں تقسیم کرنے کی چند حکمتیں :

قرآن کو سورتوں میں تقسیم کرنے کی چند حکمتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ہر سورت کو ایک مستقل معجزہ کی شکل میں پیش کرنا۔

۲۔پڑھنے والوں اور حفظ کرنے والوں کے دل میں نشاط اور خوشی پیدا کرنا ،تاکہ انہیں معلوم ہوجائے کہ ہم مستقل حصّہ ختم کر چکے ہیں۔

۳۔مضامین متناسبہ کو یکجا کرنا۔(اتقان،جلد ۱،صفحہ 66)

(جاری ہے۔۔۔)

دینِ متین کی نشر و اشاعت اور اسلامی صحافت کی ترویج میں

''ماہنامہ ندائے حسن'' کا ساتھ دیجیے!!

دین کی نشر و اشاعت میں ماہنامہ ندائے حسن چارسدہ کا ساتھ دینے کے لیے آپ خود بھی اس کے قاری بن جائیں اور اپنے اعزہ و احباب کو بھی اس کارِ خیر میں شرکت کی دعوت دیں۔ہوسکتا ہے کہ ہماری اور آپ کی دعوت سے کسی مسلمان بھائی کو قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے اور زندگی سنوارنے کا موقع مل جائے اور ہم اس کے نیک اعمال میں برابر کے حصہ دار بن جائیں!

مستقل قاری بن کر آپ صرف 300 روپے سالانہ میں گھر بیٹھے ماہنامہ ندائے حسن کا شمارہ پڑھ سکتے ہیں۔آج ہی اپنا نام اور ڈاک پتہ بھیج کر اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت میں اپنا حصہ ڈالیں۔

فون نمبر:03369985724.0916513080

ای میل ایڈریس:Muftifahim@gmail.com

ای میل ایڈریس:atifshah336@gmail.com

﴿بیاناتِ جمعہ﴾

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا واقعہ

مفتی غلام اللہ صاحب
امام وخطیب: جامع مسجد بلال کلفٹن کراچی

نحمده ونصلي على رسوله الكريم . أما بعد ! فأعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم، بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم ، قال تعالى : ﴿ وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشۡرِكُوۡابِهٖ شَيۡـًٔا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَارِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَنۡبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ وَمَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرًا ﴾(النسآء:٣٦)

وقال ف

وقال في مقام آخر:﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِيۡمَ خَلِيۡلًا ﴾(النساء:١٢٥)

اَمابعد!

اللہ رب العزت کی حمد وثنا کے بعد آیتِ کریمہ آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی، اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امام بخاریؒ نے کتاب الآداب میں ایک حدیث نقل کی ہے:

"عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال:"من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أو ليصمت ،ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم جاره ومن كان يومن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه ". (رواه البخاري)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو چاہیے کہ وہ اچھی بات کرے یا خاموش ہو جائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اُسے چاہیے کہ اپنی پڑوسی کا اکرام کرے اور جو شخص

اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اُسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

اس حدیث میں اسلامی تعلیمات بیان ہوئی ہیں اور ان تعلیمات کا تعلق معاشرے کے سنورنے سے ہے۔ ہمارے معاشرے میں طرح طرح کی بیماریاں پائی جاتی ہیں، اس وجہ سے معاشرتی نظام خراب ہوتا ہے تو معاشرتی نظام کو قائم رکھنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے مختلف مقامات پر مختلف تعلیمات دی ہیں۔ ان تعلیمات میں سے ایک بھلائی کی بات کرنا یا خاموش رہنا ہے، دوسرا ہے پڑوسیوں کو تکلیف نہ دینا اور تیسرا ہے مہمان کا اکرام کرنا۔

پہلی چیز: پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ﴾ (النسآء: ٣٦)

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نیز رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قریب والے پڑوسی، دور والے پڑوسی، ساتھ بیٹھے ہوئے شخص اور راہ گیر کے ساتھ اور اپنے غلام باندیوں کے ساتھ بھی (اچھا برتاؤ رکھو) بے شک اللہ تعالیٰ کسی اِترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔

پڑوسیوں کا معاملہ اتنا سنگین ہے کہ اکثر لوگ اس میں غفلت کے شکار ہیں۔ بعض علاقے ایسے ہوتے ہیں، جہاں کسی کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ ہمارے پڑوس میں کون رہ رہا ہے؟ حالانکہ شریعت نے پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مازال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه ". (البخاري،رقم:6014)

ترجمہ: جبریل علیہ السلام مسلسل مجھے پڑوسیوں کے بارے میں وصیت کرتے گئے، یہاں تک کہ مجھے خیال آیا کہ کہیں ان کو وارث نہ بنادیا جائے۔

تو پڑوسی کی اتنی بڑی فضیلت اور اہمیت ہے، لیکن جو چیز جتنی اہم ہوتی ہے، لوگ اس سے اُتنے ہی زیادہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

پڑوسیوں کی اقسام:

(۱)...... وہ پڑوسی جو کافر ہو تو اس کا آپ کے اوپر صرف ایک حق ہے یعنی پڑوسی ہونے کا۔

(۲)...... وہ پڑوسی جو مسلمان ہو، لیکن رشتہ دار نہ ہو تو اس کے آپ کے اوپر دو حق ہیں، ایک پڑوسی ہونے کا اور دوسرا مسلمان ہونے کا۔

(۳)...... وہ پڑوسی جو مسلمان بھی ہو اور رشتہ دار بھی، تو اس کے آپ کے اوپر تین حقوق ہیں، ایک پڑوسی ہونے کا، دوسرا مسلمان ہونے کا، اور تیسرا رشتہ دار ہونے کا۔

تو اگر پڑوسی غیر مسلم کیوں نہ ہو، پھر بھی اس کا حق (پڑوسی ہونے کی حیثیت سے) آپ کے ذمہ واجب ہے۔ تو عرض یہ کر رہا تھا کہ پڑوسیوں کے حوالے سے بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم وہ کامل مؤمن نہیں ہوسکتا کہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔ یعنی وہ پڑوسی کو تکلیف واذیت دیتا ہو، اس کے لیے باعث پریشانی ہو تو فرمایا کہ وہ کامل مومن نہیں۔ (بخاری، کتاب الادب)

اس لیے پڑوسیوں سے حسنِ سلوک کرو اور ان کے ساتھ بشاشت وخندہ پیشانی کے ساتھ پیش آؤ، ان کا خیال رکھو، اگر وہ غریب ہے۔ اگر بیمار ہے تو اس کی عیادت کرو، ایک دوسرے سے ملاقات کیا کرو وغیرہ۔

دوسری چیز: مہمان کا اکرام کرنا:

مہمان نوازی کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ﴿٢٤﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ﴿٢٥﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ﴿٢٦﴾ (الذاریات)

ترجمہ: اے پیغمبر! کیا ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کا واقعہ تمہیں پہنچا ہے، جب وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کہا۔ ابراہیمؑ نے بھی سلام کہا (اور دل میں سوچا کہ) یہ انجان لوگ ہیں۔ پھر چپکے سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے اور ایک موٹا سا بچھڑا لے آئے۔

اس لیے جب بھی مہمان آجائے تو خندہ پیشانی سے پیش آئیں۔خوش ہوجائیں، ماتھے پر بل نہ آنے چاہیے۔

حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مہمان کی خاطرداری بس ایک دن اوررات کی ہے اورمہمان نوازی تین دن تک ہے، اس کے بعد جو ہووہ صدقہ ہے۔(بخاری، کتاب الأدب، باب اکرام الضیف، رقم:6135)

تیسری چیز : اچھی اوربھلی بات کہنا:

زبان سے بھلی بات کہے، خیرخواہی کی بات نکالے، جس میں مخاطب کا فائدہ ہو، اگراس طرح نہیں توپھرفضول بکواس سے اجتناب کرکے خاموش رہا کریں۔حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا:

" من حسن إسلام المرء ترکه ما لا یعنیه ". (رواه الترمذي)

ترجمہ:لایعنی امورکوترک کرنا مسلمان کے حسن میں سے ہے۔

بعض لوگ بولتے رہتے ہیں، حالانکہ بلاضرورت مجلس میں بولنا حماقت ہے اورضرورت کے وقت خاموش رہنا بھی حماقت ہے۔اس لیے جب بھی زبان سے بات نکالیں تواچھی بات نکالیں۔ذکرواذکارکرتے رہیں یادوسروں کے فائدہ کے لیے کوئی مفید بات کہہ دیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"کل کلام ابن آدم علیه لا له إلا أمر بمعروف أو نهي عن منکر أو ذکر اللّٰه".

(مشکوٰة المصابیح، کتاب الدعوات، رواه الترمذي)

ترجمہ:امر بالمعروف یا نہی عن المنکر یا اللہ کے ذکر کے سوا ابن آدم کا تمام کلام اس پر بوجھ ہے، یعنی وہ اس کے لیے نفع مند نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ذکرسب سے بڑی چیز ہے، لہٰذا ذکرواذکارکرتے رہیں، قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہیں، ضرورت کی بقدربات کرلیا کریں اورلایعنی اورفضول باتوں سے اجتناب کریں۔

واقعہ :

"المستطرف في کل فن مستظرف" نامی کتاب میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا ایک

واقعہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کو گیا، ایک سفر کے دوران راستے میں مجھے ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی ملی، جس نے اون کا قمیص پہنا ہوا تھا اور اُون ہی کی اوڑھنی اُوڑھے ہوئے تھی، میں نے اسے سلام کیا تو اس نے جواب میں کہا:

﴿ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾(یٰسین:۵۸)

میں نے پوچھا: ''اللہ تم پر رحم کرے، یہاں کیا کر رہی ہو؟'' کہنے لگی:

﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ﴾(الاعراف :۱۸۶)

ترجمہ: جسے اللہ گمراہ کردے، تو اس کا کوئی رہنما نہیں ہوتا۔

میں سمجھ گیا کہ وہ راستہ بھول گئی ہے، اس لیے میں نے پوچھا: ''کہاں جانا چاہتی ہو؟'' کہنے لگی:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ (الاسراء : ۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گئی۔

میں سمجھ گیا کہ وہ حج ادا کر چکی ہے اور بیت المقدس جانا چاہتی ہے، میں نے پوچھا: ''کب سے یہاں ہو؟'' کہنے لگی:

﴿ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴾(مریم: ۳۰)

ترجمہ: پوری تین راتیں۔

میں نے کہا: ''تمہارے پاس کچھ کھانا وغیرہ نظر نہیں آ رہا، کھاتی کیا ہو؟'' جواب دیا:

﴿ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ﴾(الشعراء:۷۹)

وہ اللہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

میں نے پوچھا: ''وضو کس چیز سے کرتی ہو؟'' کہنے لگی:

﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾(النسآء:۴۳)

پاک مٹی سے تیمّم کرلو۔

میں نے کہا: ''میرے پاس کچھ کھانا ہے، کھاؤ گی؟'' کہنے لگی:

﴿اِتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیلِ ﴾(البقرۃ:۱۸۷)
رات تک روزوں کو پورا کرو۔
میں نے کہا: ”یہ رمضان کا مہینہ تو نہیں ہے“ بولی:
﴿وَمَنۡ تَطَوَّعَ خَیۡرًا فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیۡمٌ ﴾(البقرۃ:۱۵۸)
اور جو بھلائی کے ساتھ نفلی عبادت کرے تو اللہ شکر کرنے والا اور جاننے والا ہے۔
میں نے کہا: ”سفر کی حالت میں تو فرض روزہ نہ رکھنا بھی جائز ہے“ کہنے لگی:
﴿وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ﴾(البقرۃ:۱۸۴)
اگر تمہیں ثواب کا علم ہو تو روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے۔
میں نے کہا: ”تم میری طرح کیوں بات نہیں کرتی؟“ جواب ملا:
﴿مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ﴾(ق:۱۸)
انسان جو بات بھی بولتا ہے، اس کے لیے نگہبان فرشتہ مقرر ہے۔
میں نے پوچھا: ”تم کون ہو؟ کون سے قبیلہ ہو؟“ کہنے لگی:
﴿وَلَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ﴾(الاسراء: ۳۶)
جس بات کا تمہیں علم نہیں، اس کے پیچھے مت پڑو۔
میں نے کہا: ”معاف کرنا مجھ سے غلطی ہوئی“ بولی:
﴿قَالَ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ یَغۡفِرُ اللّٰہُ لَکُمۡ ﴾(یوسف: ۹۲)
آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے۔
میں نے کہا: ”اگر چاہو تو میری اُونٹنی پر سوار ہو جاؤ اور اپنے قبیلہ سے جا ملو“ کہنے لگی:
﴿وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ یَّعۡلَمۡہُ اللّٰہُ ﴾(البقرۃ:۱۹۶)
تم جو بھی بھلائی کرو، اللہ اسے جانتا ہے۔
میں نے یہ سن کر اپنی اونٹنی کو بٹھالیا، مگر سوار ہونے سے پہلے وہ بولی:
﴿قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ﴾(النور:۳۰)

مؤمنوں سے کہہ کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

میں نے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں اوراس سے کہا: ''سوار ہو جاؤ'' لیکن جب وہ سوار ہونے لگی تو اچانک اونٹنی بگڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی اوراس جدوجہد میں اس کے کپڑے پھٹ گئے، اس پر وہ بولی:

﴿وَمَا اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ﴾(الشوریٰ: ۳۰)

تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کے سبب ہوتی ہے۔

میں نے کہا: ''ذرا ٹھہرو میں اونٹنی کو باندھ دوں، پھر سوار ہونا'' وہ بولی:

﴿فَفَهَّمۡنٰهَا سُلَيۡمٰنَ﴾(الانبیاء: ۷۹)

ہم نے اس مسئلے کا حل سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا۔

میں نے اونٹنی کو باندھا اوراس سے کہا: ''اب سوار ہو جاؤ'' وہ سوار ہوگئی اور یہ آیت پڑھی:

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ،وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ﴾(الزخرف:۱۳،۱۴)

پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا اور ہم اس کو کرنے والے نہیں تھے اور بلا شبہ ہم سب پروردگا کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

میں نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور چل پڑا، میں بہت تیز تیز دوڑا جا رہا تھا اور ساتھ ہی زور زور سے چیخ کر اونٹنی کو ہنکا بھی رہا تھا، یہ دیکھ کر وہ بولی:

﴿وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِكَ وَاغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِكَ﴾(لقمان: ۱۹)

اپنے چلنے میں اعتدال سے کام لو اور اپنی آواز پست رکھو۔

اب میں آہستہ آہستہ چلنے لگا اور کچھ اشعار ترنم سے پڑھنے شروع کیے، اس پر اس نے کہا:

﴿ فَاقۡرَءُوۡا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ﴾(مزمل: ۲۰)

قرآن میں سے جتنا حصہ پڑھ سکو، وہ پڑھو۔

میں نے کہا ''تمہیں اللہ کی طرف سے بڑی نیکیوں سے نوازا گیا ہے۔'' بولی:

﴿وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ﴾(البقرۃ: ۲۶۹)

صرف عقل مند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے اس سے پوچھا: ''تمہارا کوئی شوہر ہے؟'' بولی:

﴿ لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ ﴾(المائدة:١٠١)

ایسی چیزوں کے بارے میں مت پوچھو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔

اب میں خاموش ہوگیا، اور جب تک قافلہ نہیں مل گیا، میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی، قافلہ سامنے آ گیا تو میں نے اس سے کہا: ''یہ قافلہ سامنے آ گیا ہے، اس میں تمہارا کون ہے؟ کہنے لگی:

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾(الکهف:٤٦)

مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔

میں سمجھ گیا کہ قافلے میں اس کے بیٹے موجود ہیں۔ میں نے پوچھا: ''قافلے میں ان کا کام کیا ہے؟''

بولی:

﴿وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴾(النحل:١٦)

علامتیں ہیں اور ستارے ہی سے راستہ معلوم کرتے ہیں۔

میں سمجھ گیا کہ اس کے بیٹے قافلے کے رہبر ہیں، چنانچہ میں اسے لے کر خیمے کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا: ''یہ خیمے آ گئے ہیں اب بتاؤ تمہارا (بیٹا) کون ہے؟'' کہنے لگی:

﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا﴾(النساء:١٢٥)، ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِیْمًا ﴾ (النساء:١٦٤)، ﴿یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾(مریم:١٢)

یہ سن کر میں نے آواز دی: یا ابراہیم، یا موسیٰ، یا یحییٰ!

تھوڑی سی دیر میں چند نوجوان جو چاند کی طرح خوبصورت تھے، میرے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

جب ہم سب اطمینان سے بیٹھ گئے تو اس عورت نے اپنے بیٹوں سے کہا:

﴿فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَاۤ اَزْكٰی طَعَامًا فَلْیَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ ﴾(الکهف: ١٩)

اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو، پھر وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا

زیادہ پاکیزہ ہے، سواس میں سے تمہارے واسطے کچھ کھانا لے آئے۔

یہ سن کران میں سے ایک لڑکا گیا اور کچھ کھانا خرید لایا، وہ کھانا میرے سامنے رکھا گیا تو عورت نے کہا:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾(الحاقة : ٢٤)

خوشگواری کے ساتھ کھاؤ پیو، بہ سبب ان اعمال کے جو تم نے پچھلے دنوں میں کیے ہیں۔

اب مجھ سے نہ رہا گیا: میں نے لڑکوں سے کہا: ''تمہارا کھانا مجھ پر حرام ہے، جب تک تم مجھے اس عورت کی حقیقت نہ بتلاؤ۔'' لڑکوں نے بتایا کہ ''ہماری ماں کی چالیس سال سے یہی کیفیت ہے، چالیس سال سے اس نے قرآنی آیات کے سوا کوئی جملہ نہیں بولا اور یہ پابندی اس نے اپنے اوپر اس لیے لگائی ہے کہ کہیں زبان سے کوئی ناجائز اور نامناسب بات نہ نکل جائے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے۔'' میں نے کہا:

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾(الجمعة : ٤)

لہذا اگر بات کہنا ہے تو اچھی اور بھلی کہہ لیا کریں، ورنہ فضول باتوں سے مکمل اجتناب کریں۔

اللہ تعالیٰ ان سب باتوں پر مجھے اور آپ سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

جنت میں کچھ خیمے موتیوں کے بنے ہوں گے

ابوبکر بن عبداللہ بن قیس نے اپنے والد (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مومن کے لیے جنت میں ایک خیمہ ہوگا جو ایک پولے چمکتے سفید موتی کا بنا ہوا ہوگا۔ اس کی لمبائی ستر میل ہوگی۔ اس (خیمے) میں مومن کے بہت سے گھر والے ہوں گے۔ وہ (باری باری) ان کے ہاں چکر لگائے گا، (لیکن) وہ (اس قدر فاصلے پہ ہوں گے کہ) ایک دوسرے کو نہیں دیکھتے ہوں گے (کسی کا بھی دل پریشانی یا حسد کا شکار نہ ہوگا۔)

(صحیح مسلم، حدیث نمبر: 7158)

﴿بیانات جمعہ﴾

تبلیغی جماعت کی حقانیت

مفتی غلام اللہ صاحب
امام وخطیب: جامع مسجد بلال کلفٹن کراچی

نحمدہٗ ونصلّي علی رسوله الكريم.أما بعد ! فأعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم.
بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم. قال تعالیٰ:﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾(آل عمران :١٠٤)
وقال النبيﷺ : "من رای منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان".(مسلم)

اَمابعد!

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد جو آیت کریمہ اور حدیثِ مبارک آپ حضرات کے سامنے پڑھی، اللہ تعالیٰ اس پرعمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امت اور قوم کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔اس لیے معاشرے کو سنوارنے اور درست کرنے کے لیے ہر ایک کے دل میں یہ فکر ہو۔اپنی اصلاح کی بھی کوشش کرے اور دوسروں کی اصلاح کے لیے بھی جدوجہد جاری رکھے۔اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَالْعَصْرِ﴿١﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴿٢﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴿٣﴾(العصر)

ترجمہ: زمانے کی قسم ! انسان درحقیقت بڑے گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کریں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں۔

''حق بات کی نصیحت'' سے مراد یہ ہے کہ فرائض ،واجبات ،نیکی کی دعوت اور حق بات کی طرف

بلاتے ہیں۔اور''صبر کی نصیحت'' کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں اور برائیوں سے لوگوں کو روکتے ہیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران میں فرمایا ہے:

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (۱۰۴)

ترجمہ:اور تمہارے درمیان ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جس کے افراد (لوگوں کو) بھلائی کی طرف بلائیں، نیکی کی تلقین کریں اور برائی سے روکیں۔

اسی لیے میں عرض کر رہا تھا کہ انفرادی اور اجتماعی اصلاح انتہائی ضروری ہے۔انفرادی اصلاح یہ ہے کہ آپ کسی اللہ والے کے پاس جاتے ہیں، دین کی باتوں پر عمل کرتے ہیں، تبلیغی جماعت میں نکلتے ہیں، تعلیم و تعلم میں مصروف ہوتے ہیں؛ یہ سب انفرادی اصلاح کے طریقے ہیں۔

اجتماعی اصلاح یہ ہے کہ آپ دوسروں کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا آیت آپ نے سنا کہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خیر اور نیکی کی طرف، عقائد، اخلاقیات، عبادات اور حسن معاشرت کی طرف لوگوں کو بلائے۔مفسرین نے لکھا ہے کہ تبلیغ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے، اگر ایک جماعت ایسی ہو، جو اس فریضے کو سرانجام دے رہی ہو تو ساری امت کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔تو تبلیغی جماعت (جس کی بنیاد حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے رکھی ہے) کا اس امت پر بہت بڑا احسان ہے کہ وہ یہ فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔باقی اچھائیاں اور برائیاں تقریباً ہر جماعت میں پائی جاتی ہیں۔

لیکن کچھ مہینے پہلے آپ نے سنا ہوگا کہ سعودی عرب میں تبلیغی جماعت والوں کے بارے میں ایک فتویٰ جاری کیا گیا ہے، جو خطبا نے اپنے خطبوں میں لوگوں کو سنایا ہے۔اس میں انہوں نے چند باتیں بتائی ہیں: کہ یہ تبلیغی حضرات (۱) مشرک اور قبر پرست ہیں۔(۲) بدعتی ہیں۔(۳) دہشت گرد ہیں۔نیز یہ کہ (۴) سہ روزہ، چلہ، چہار مہینے وغیرہ یہ قرآن وسنت سے ثابت نہیں ہیں۔تو مذکورہ باتوں کو بنیاد بنا کر سعودی عرب میں تبلیغی جماعت پر پابندی لگائی گئی ہے۔

سامعین محترم! حقیقت یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کا وہی عقیدہ ہے، جو قرآن وسنت کا عقیدہ ہے۔اہل السنۃ والجماعۃ کا جو نظریہ ہے، وہی نظریہ ان کا بھی ہے۔حضرت تھانویؒ، مدنیؒ اور گنگوہیؒ کا جو نظریہ ہے، وہی نظریہ ان کا بھی ہے۔غرض علماءِ دیوبند کا جو نظریہ ہے، وہی نظریہ ان کا بھی ہے، کیونکہ حضرت مولانا الیاسؒ

دیوبند کے فرزند ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہوگئی۔

دوسری بات کہ یہ لوگ قبر پرست اور مشرک ہیں۔ تو کسی تبلیغی کو آپ نے کبھی دیکھا ہے، جس نے کسی قبر کو سجدہ کیا یا اس سے مدد مانگی ہو، کوئی بھی یہ ثابت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف ان کی سنی سنائی باتیں ہیں۔ باقی ان کا یہ کہنا کہ تبلیغ والے مشرک ہیں تو آپ لوگ جانتے ہیں کہ تبلیغی نصاب میں جو چھ نمبر ہوتے ہیں، اس میں سب سے پہلا نمبر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ ﷺ کی رسالت کا ہے۔ تو دیکھیں! کلمہ شہادت قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ نماز قرآن وسنت سے ثابت ہے، علم وذکر قرآن وسنت سے ثابت ہے، اکرام مسلم قرآن وسنت سے ثابت ہے، اخلاص وتصحیح نیت قرآن وسنت سے ثابت ہے اور دعوت وتبلیغ بھی قرآن وسنت سے ثابت ہے، پھر یہ تبلیغی حضرات مشرک کیسے ہوسکتے ہیں۔

تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر تبلیغ والے مشرک ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت کیوں دیتے ہیں۔ تبلیغی حضرات تو کہتے رہتے ہیں کہ ایک اللہ سے ہونے کا یقین اور اللہ کے حکم کے بغیر مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا یقین ہمارے دلوں میں آجائے۔

تیسری بات یہ کہ سہ روزہ، چلہ، چار مہینے وغیرہ قرآن وسنت سے ثابت نہیں۔ تو ہمارا سوال اُن سے یہ ہے کہ سکول، کالج اور مدارس میں جو چھ سال اور آٹھ سال کا کورس ہوتا ہے، اس کا ثبوت قرآن وسنت سے دکھاؤ، یہ کہاں سے ثابت ہے؟ تو جو حکم اس کا ہے، وہی حکم سہ روزہ، چلہ اور چار مہینے کا بھی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انفرادی اصلاح ہو یا اجتماعی اصلاح، اس کے لیے کچھ نہ کچھ مدت ہونی چاہیے کہ جس میں رہ کر اصلاح ہوسکے، تو یہ سہ روزہ، چلہ، چار مہینے ہم فرض یا واجب نہیں سمجھتے، بلکہ یہ صرف اصلاح کا ایک نظام اور طریقہ ہے، اس وجہ سے تبلیغ میں اس کی ترتیب رکھی گئی ہے۔ لہذا اس طرح کے اعتراضات کرنا فضول ہیں۔ بلکہ تبلیغ کا یہ کام قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ نیز چلہ کے ثبوت پر آپ یہ حدیث بھی پیش کرسکتے ہیں، حدیث ہے:

”من صلى لله أربعين يوما في جماعة يدرك التكبيرة الاولىٰ كتبت له برائتان : براءة من النار و براءة من النفاق“. (رواه الترمذي)

ترجمہ: جو شخص اللہ کی رضا کی خاطر چالیس دن تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو دو انعام دیتے ہیں: ایک جہنم سے بری ہونے کا اور دوسرا نفاق سے بری ہونے کا۔

درجہ بالا حدیث میں چالیس کا عدد ذکر ہوا ہے۔ اسی طرح اگر چالیس دن میں کوئی اپنی روحانی اصلاح کرتا ہے تو وہ شفایاب ہو جاتا ہے۔

نیز یہ معترضین جو تبلیغی جماعت پر قسم قسم کے اعتراضات کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں، وہ اُن لوگوں پر کیوں اعتراض نہیں کرتے، جو شراب نوشی، بدکاری، سرعام فحاشی وعریانی؛ حتی کہ مسجد نبوی ومسجد حرام میں تصویرکشی میں مصروف رہتے ہیں؟

تو دعوت وتبلیغ کا کام بہت اونچا کام ہے اور تبلیغی جماعت ایک مخلص جماعت ہے، جو ذریعہ ہدایت ہے، پورے دنیا میں اس کے ثمرات اور فوائد پہنچ رہے ہیں۔

جہاں تک اس اعتراض کی بات کہ ’’فضائل اعمال‘‘ میں بہت ساری ضعیف احادیث ہیں تو جناب! ضعیف حدیث کا حکم یہ ہے کہ اگر اس حدیث کا تعلق فضائل، واقعات اور ترغیب وترہیب سے ہو تو بلاشبہ اس کو بیان کرنا جائز ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ نیز فضائل اعمال میں قرآنی آیات بھی ہیں اور احادیث بھی ہیں اور شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے وہاں نشاندہی بھی کی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف وغیرہ۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ فضائل اعمال کے مرتب شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ ہے جو پورے ہندوستان میں شیخ الحدیث کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ معترضین کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ فن حدیث واصول حدیث سے شیخ زکریا رحمہ اللہ بخوبی واقف ہیں، لہذا اُن کی منتخب کردہ احادیث ضرور علم اصول حدیث کی رو سے قبولیت کے معیار پر فائز ہیں۔

تو تبلیغی جماعت جو کام کر رہی ہے، درحقیقت یہ وہی کام ہے جو انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے۔ باقی کوئی مانے یا نہ مانے، اس کی اپنی مرضی ہے۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان. (مسلم)

تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے تو اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت ہو تو ہاتھ سے منع کرے، اگر ہاتھ سے نہیں روک سکتے تو زبان سے اس کو سمجھا کر منع کرے اور اگر زبان سے بھی روکنے کی طاقت نہ ہو تو پھر دل کے ذریعے روکے۔ یعنی دل میں یہ ارادہ کرے کہ جب اللہ تعالیٰ مجھے توفیق اور طاقت دے گا تو میں اس کو روکوں گا

اور یہ ایمان کا بہت ہی کمزور درجہ ہے۔اگر دل سے بھی روکنے کا ارادہ نہ ہوتو پھر ایمان کہاں؟ اب ہم اپنی گرد وپیش ماحول پر نظر ڈالیں کہ کتنے ناجائز کام ہمارے سامنے ہوتے رہتے ہیں،لیکن ہم نے کبھی روکا ٹوکا ہے یا اس کو برا سمجھا ہے؟ ہر شخص خود سوچے اور دیکھے کہ میں ایمان کے کس درجے پر ہوں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”والذي نفسي بيده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر أو ليوشكن الله أن يبعث عليكم عقابا منه ثم تدعونه فلايستجيب لكم“. (الترمذي:2169)

ترجمہ:قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسا عذاب بھیج دیں گے کہ پھر تم دعا مانگو گے،لیکن اللہ تعالیٰ قبول نہیں کریں گے۔

خلاصۂ کلام:

کہ دعوت وتبلیغ والے پوری دنیا میں جو کام کر رہے ہیں،ان کا مقصد خود اپنے آپ کو اور پوری انسانیت کو جہنم سے بچانا اور جنت میں لے جانا ہے، حالانکہ وہ اپنا ہی مال ،جان اور وقت لگا کر آپ کو دین پہنچاتے ہیں،تا کہ سب جنت جانے والے بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان سب باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

ان لذتوں سے اکتاہٹ نہیں ہوتی

مامون الرشید نے ایک دن حسن بن سہیل سے کہا:”میں نے دنیا کی تمام لذتوں پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہر ایک لذت ایسی ہے جس سے انسان کسی نہ کسی وقت اکتا جاتا ہے،لیکن سات لذتیں ایسی ہیں جن سے کبھی اکتاہٹ نہیں ہوتی۔”گندم کی روٹی، بکری کا گوشت،ٹھنڈا پانی ،ملائم کپڑا،خوشبو،امداز بستر اور ہر قسم کے حسن کو دیکھنا۔“

حسن بن سہیل نے کہا: "امیر المؤمنین! ایک چیز رہ گئی اور وہ ہے لوگوں سے بات چیت۔مامون نے اس کی تصدیق کی۔(تراشے،ص:89)

﴿دارالافتاء﴾

دارالافتاء

مفتی حمیداللہ جان 0333.9133080

اپنے مسائل کا جواب پوچھنے کے لیے آپ ماہنامہ ندائے حسن کے ڈاک پتے یا ای میل پر سوال بھیج سکتے ہیں۔
سوال پوچھنے میں یہ خیال رکھیں کہ وہ مفید اور قابل اشاعت ہونے کے ساتھ ساتھ مسلکی طور پر اختلافی نہ ہو۔

سرکاری ملازم کا ڈیوٹی کیے بغیر تنخواہ اور پنشن لینے کا حکم

سوال:

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص اٹھارہ سال سرکاری نوکر رہا ہے، جبکہ ان اٹھارہ سالوں میں ایک دن بھی نوکری کے لیے نہیں گیا ہے اور مسلسل ان اٹھارہ سالوں کی تنخواہ وصول کر چکا ہے اور اب پنشن بھی لی ہے، لیکن اب اسے احساس ہو چکا ہے کہ یہ میں نے غلط کیا ہے تو اب اس کے لیے شرعا کیا حکم ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعتِ مطہرہ کی رو سے کسی کام کے لیے کسی شخص کو خاص کرنے کو اجیر خاص کہتے ہیں اور اجیر خاص مقررہ وقت میں خود کو حوالہ کرنے پر اجرت کا مستحق ہوتا ہے، نیز جو کسی طریقے سے حرام مال حاصل کرے، اسے اپنے اصل مالک کی طرف لوٹانا ضروری ہوتا ہے، اگر مالک معلوم نہ ہو تو بلا نیتِ ثواب صدقہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

لہذا صورتِ مسئولہ میں یہ شخص چونکہ حکومت کا اجیر خاص تھا اور اجیر خاص مقررہ وقت میں خود کو مستاجر کے سپرد کرنے کا پابند ہوتا ہے، اس لیے اس پر لازم تھا کہ خود کو حکومت کے سپرد کر دیتا، اس نے چونکہ مقررہ وقت میں خود کو حوالہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی مقررہ ذمہ داری ادا کی ہے، اس لیے یہ اجرت (تنخواہ) کا مستحق نہیں ہے اور اس نے جو تنخواہ لی ہے وہ ناجائز ہے، اب یہ تمام پیسے سرکار کو واپس کرنا اس پر لازم ہے۔ البتہ اگر اس کو یہ اطمینان حاصل نہ ہو کہ یہ پیسے حکومت کے متعلقہ شعبہ میں پہنچ جائیں گے تو حکومت کے کسی اور اِدارے

میں جا کر عطیہ یا وقف کے طور پر جمع کر دے یا اِن پیسوں سے کوئی زمین خرید کر کسی سکول، ہسپتال یا کسی بھی سرکاری عمارت کے لیے وقف کر دے۔

جہاں تک پنشن کا تعلق ہے تو پنشن کی حیثیت چونکہ محققین علما حضرات کے ہاں اجرت مؤجلہ (یعنی اجرت کا کچھ حصہ جو بعد میں ادا کیا جاتا ہو) ہے اس لیے اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو تنخواہ کا ہے یعنی حکومتی خزانے میں کسی طرح پہنچا دے۔

والدليل على ذلك:

(والثانى) وهوالأجير (الخاص) و يسمى أجير وحد وهومن يعمل لواحد عملا مؤقتاً بالتخصيص ويستحق الأجر بتسليم نفسه فى المدة وإن لم يعمل كمن أُستوجر شهرا للخدمة أو شهراً لرعى الغنم. (الدر المختار مع تنوير الأبصار، كتاب الإجارة، مبحث الأجير الخاص: **9/117** مكتبه اعزاريه، پشاور)

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم وإلا فإن علم عين الحرام لايحل له ويتصدق به بنية صاحبه .(رد المحتار، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالاحراما، **99/5**، سعيد)

العادة فى الوظائف الحكومية وبعض الشركات أن المؤظفين بعد تقاعدهم من وظيفتهم يستحقون مَبلغاً يسمى راتب التقاعد(**pension**)يدفع اليهم شهرياً طوال حياتهم---فإن اعتبرنا راتب التقاعد تبرعاً من قبل المؤجر كما هو رأى لبعض الفقهاء المعاصرين فهو استبدال تبرع موعود بتبرع عاجل فليس فيه محظور ولكن هناك رأى آخر للمعاصرين يميل إليه قلبى أن راتب التقاعد ليس تبرعاً لأنه من جملة شروط التوظيف والمؤظف يستحق مطالبته قانوناً وإن وظائف الحكومة بصفة خاصة لها قانون يفرض راتب التقاعد عموما فهو من قبل الاجرة المؤجلة ولو كان تبرعاً لم يجز للمؤظف مطالبته فى القضاء. (فقه البيوع، بيع راتب التقاعد، **358،1**، مكتبة معارف القرآن كراچى)

﴿اخبار جامعہ﴾

جامعہ کے شب وروز

مولانا امجد علی حقانی

چار نیم ماہی امتحان :

تعلیمی سال نمبر ۱۴ کا وسطانی امتحان ۷، اکتوبر ۲۰۲۳ء کو منعقد ہوا۔ ہفتے کے دن امتحان شروع ہوا۔ ہر روز ایک پرچہ لیا گیا، بحمداللہ جمعرات کے دن بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا۔

تعطیلات :

تعلیمی دورانیئے میں جامعہ کے اندر صرف ایک بار چھٹیاں ہوتی ہیں۔ حسبِ معمول یہ چھٹیاں چار نیم ماہی امتحان کے بعد دی گئیں۔ ۱۲ / اکتوبر سے ۲۳ / اکتوبر جمعہ کی شام تک چھٹیاں ہوئیں۔ ۲۳/ اکتوبر ۲۰۲۳ء بروز پیر شام کو حاضری ہوگی۔

مسجد کی تعمیر:

جامعہ میں عبداللہ ابن عباسؓ کے نام پر ایک وسیع وعریض مسجد کی تعمیر شروع ہے۔ مخیّر حضرات سے اس مسجد کی تعمیر میں مالی اور جانی تعاون کی اپیل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے گھر کی تعمیر کو بخیر وعافیت اختتام پذیر فرمائیں۔

2023\Ishtihar Page 56.jpg not found.